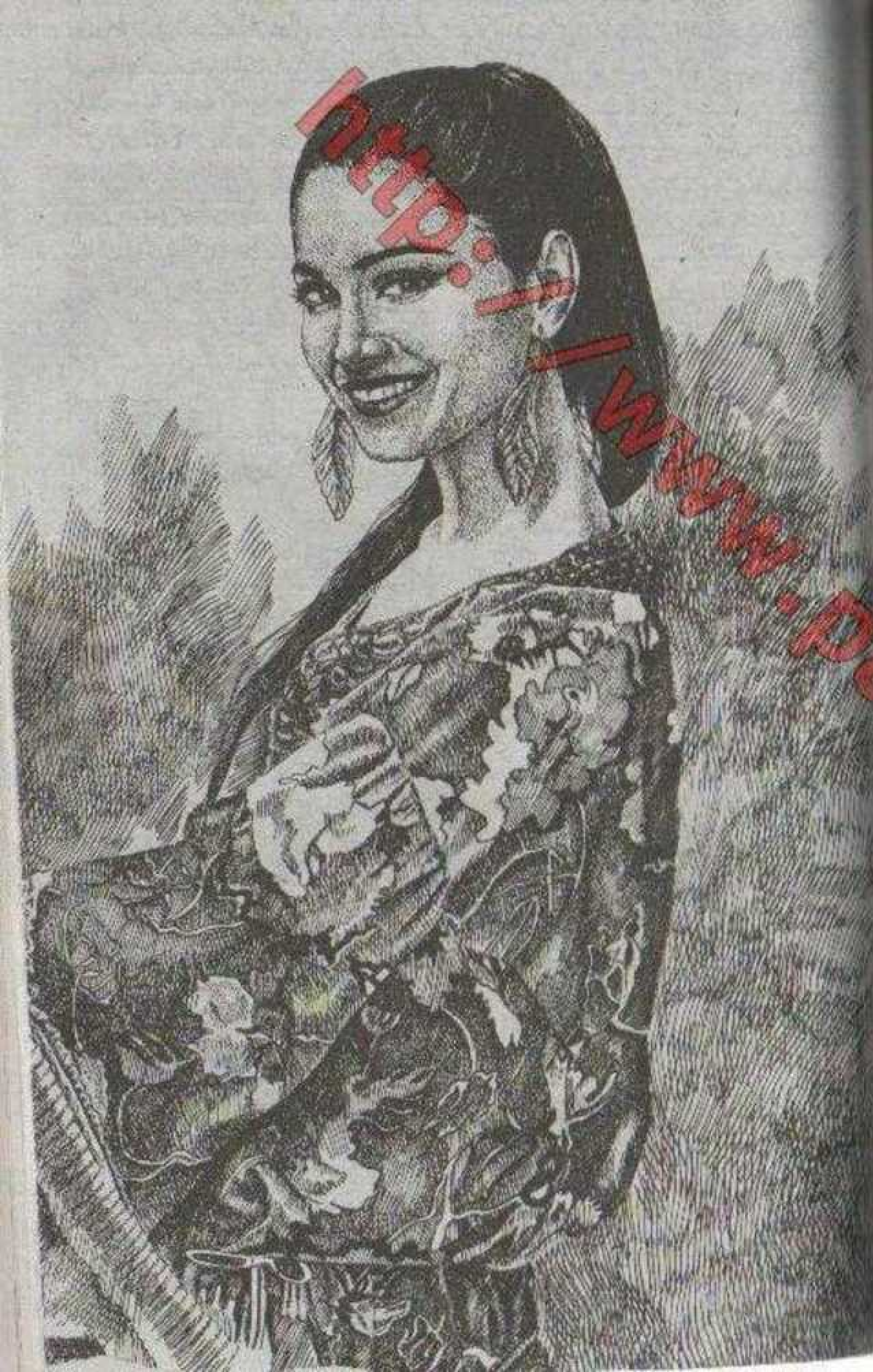

نازیہ کنول نازی

بات زندگی کی ہے

مکمل ناول

ہوا تھمی تھی ضرور لیکن، وہ شام جیسے سسک رہی
تھی
کہ زرد پتوں کو آندھیوں نے عجیب قصہ سنا دیا تھا
وہ جس کو سن کر تمام پتے سسک رہے تھے
بلک رہے تھے،
جانے کس سانحے کے غم میں شجر جڑوں سے اکھڑ
چکے تھے

بہت تلاشا تھا ہم نے تم کو
ہر ایک رستہ، ہر ایک وادی
ہر ایک پربت، ہر ایک گھاٹی
کہیں سے تیری خبر نہ آئی تو یہ کہ ہم نے بھی دل کو
ٹالا
ہوا تھمے گی تو دیکھ لیں گے ہم اس کو رستوں میں
ڈھونڈ لیں گے
مگر ہماری یہ خوش خیالی جو ہم کو برباد کر گئی تھی
ہوا تھمی تھی ضرور لیکن، بڑی ہی مدت گزر چکی تھی
ہمارے بالوں کے جگنوؤں میں، سفید چاندی اتر
چکی تھی
فلک پہ تارے نہیں رہے تھے
گلاب پیارے نہیں رہے تھے
وہ جن کے دم سے تھی دل کی بستی، وہ لوگ سارے
نہیں رہے تھے
یہ المیہ سب سے بالاتر تھا کہ ہم، تمہارے نہیں
رہے تھے
کہ تم ہمارے نہیں رہے تھے
ہوا تھمی تھی ضرور لیکن —— بڑی ہی مدت گزر
چکی تھی

تھکن سے بے حال، جس وقت اس نے قدم گھر کی دہلیز پر رکھے، تایا کی پاٹ دار آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"تو کنویں کا مینڈک ہے غلام محمد!!۔ کنویں کا مینڈک، اسی کنویں میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گا ایک دن۔ کوئی واہ واہ کرنے نہیں آئے گا تجھ پر، تیری غلامی پر، اپنی عمر تو پوری کر چکا بے وقوف۔ اولاد کا سوچ اب۔ ساری عمر پڑی ہے ان کے سامنے۔ کیا کیا ہے تو نے ان کے لیے؟

تین جوان بیٹیاں ہیں تیری۔ کون اس مفلسی میں رشتے لے گا ان کے۔ اپنے بیٹوں کا سوچ، [illegible] ہوتے ہوئے کیسی ذلت بھری زندگی گزار [illegible] کیا قصور ہے ان کا کہ انہیں اچھی [illegible] نہ ملے بول۔" بنا آہٹ پیدا کیے [illegible] آ گئی تھی۔

لگا ہے کچھ ہی [illegible] کے وسط میں اس کا باپ سر جھکائے [illegible] ان کے آنسو اس کا چہرہ بھگو رہے تھے [illegible] رک گئی۔

"اولاد [illegible] کی سب سے بڑی آزمائش ہے [illegible] بستی بنا دے، چاہے تو جنتی۔ میں نے حق حلال کے رزق سے پالا ہے اپنے بچوں کو۔ کبھی بھوکا نہیں سونے دیا۔ پھر کیسی ذلت؟ غلام محمد کے بچے ہیں یہ۔ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ادنیٰ غلام کے۔ مجھے یقین ہے یہ کبھی دنیا و آخرت میں میری رسوائی کا سبب نہیں بنیں گے۔ آپ چاہتے ہیں میں ان کی چند

روزہ بہتر زندگی کے لیے آخرت کی رسوائی مول لے لوں۔؟ وہ وقت کہ جب اللہ تبارک تعالیٰ کے جلال کے سامنے سوائے میرے آقا علیہ سلام کے کسی نبی کا سر نہیں اٹھ سکے گا اس وقت نبیوں کے سردار رحمتہ العلمین، خدا کے محبوب محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سفارش سے دستبردار ہو جاؤں؟ چند فانی چیزوں کے لیے ان کی آن و شان کا سودا کر لوں۔ یہ سب کر لوں تو محشر کے روز کس منہ سے ان کی شفاعت طلب کروں گا؟ کس منہ سے سفارش کی بھیک مانگوں گا ان سے؟ شرم نہیں آئے گی مجھے ان کے سامنے سوالی بن کر کھڑا ہوتے ہوئے۔"

تایا کی چنگھاڑ کے جواب میں اپنے باپ کی آنسوؤں میں ڈوبی آواز سنائی دی تھی۔ تبھی تایا پھر گرجا تھا۔

"ہوئے چپ کر آخرت کا حال کس نے دیکھا ہے۔ اس وقت جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ اللہ بخشنے والا ہے۔ ہم شوق سے تھوڑی کر رہے ہیں یہ سب مجبوری ہے۔ بیس سال ہو گئے حق حلال کی کھاتے ہوئے کیا ملا؟ تو چھوڑ یہ سب بھرے پیٹ والوں کی باتیں ہیں پیٹ میں آگ لگی ہو تو کیا مذہب کہاں کا حسب نسب۔ ہم تو دیکھ تو رہا ہے کیا کیا نہیں ہو رہا اس ملک میں دولت کے لیے۔ جہاں یہ سب جائیں گے وہاں ہم بھی چلے جائیں گے۔"

"آپ جا سکتے ہیں بھاء۔ میں اتنی سہار نہیں رکھتا۔"

"نہیں رکھتے تو جاؤ بھاڑ میں۔ میری بلا سے۔" غلام محمد کے مختصر جواب پر تایا کو پھر اشتعال آیا تھا۔

"ساری عمر لوگوں کے بچوں کو نفع و نقصان کے سبق پڑھائے ہیں، کبھی اپنے بچوں کی طرف بھی دیکھ وہ کیا چاہتے ہیں ان کی کیا خواہشات ہیں؟ کہیں کا نہیں چھوڑتی یہ غربت انسان کو۔ ہر گناہ اسی کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔ چار پیسے ہاتھ آ جائیں تو ہماری بھی تقدیر بدل جائے۔ ورنہ کون ایسا شخص ہے یہاں جو اپنا ایمان ہاتھ پر لیے نہ پھرتا ہو۔ موت کے [illegible] جابجا

گر کہہ دے کسی ڈاکٹر سے کہ تیرا مفت علاج کر دے کیونکہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق ہے۔ سچا پکا مسلمان ہے۔ کون سنے گا تیری؟ صرف اس حوالے سے سر آنکھوں پر بٹھائے گا تجھے۔؟ نہیں۔ جوتیاں ماریں گے تجھے اور دھتکار کر پیسوں کے بغیر نکال باہر کریں گے۔ کوئی نہیں پوچھتا اس دنیا میں پیسوں کے بغیر نسب کی دولت کو سلام ہے۔ تجھے اتنا ہی غرور ہے اپنے ایمان پر تو جا کسی ہسپتال میں اور ایمان کا حوالہ دے کر ہو جا بھلا چنگا۔ ہوتا کیوں نہیں؟"

تایا کے اشتعال پر غلام محمد کی آنکھیں مزید شدت سے آنسو لٹانے لگی تھیں جبکہ اجالا کا دل اس لمحے جیسے کسی نے پاؤں تلے لے کر مسل ڈالا تھا۔

"کسی ڈاکٹر کی کیا مجال ہے بھاء کہ وہ مجھ سے نمانے کو بھلا چنگا کر دے۔ شفا دینے والی ذات تو میرے سوہنے رب کی ہے۔ وہی بھلا چنگا کرے گا مجھے۔ اسی کے سامنے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ سرٹیفکیٹ کی صورت کام آئے گا۔ وہی ہے بھاء جو دے کر بھی آزماتا ہے اور لے کر بھی، مردہ بکری کے بچے سے زیادہ حقیر اس دنیا کے لوگ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و حرمت کو کیا جانیں؟ وہ جن کے ایک اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو جائے انہیں اپنے ایک ادنیٰ غلام کو بھلا چنگا کرنا کیا مشکل ہے۔ یہ تو صرف آزمائش ہے بھاء ورنہ ان کے در پر تو بڑے بڑے بادشاہوں نے اپنی بادشاہی لٹا دی۔ میری تو اوقات ہی کیا ہے۔"

آنسوؤں میں ڈوبا غلام محمد کا ایک ایک لفظ اجالا کو بے چین کر رہا تھا۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ غلام محمد کے منہ پر ہاتھ رکھ کر انہیں چپ کروا دیں۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں بھاء؟ یہ لوگ جو آپ سے آپ کے ایمان کا سودا کر رہے ہیں۔ انہیں آپ سے ہمدردی ہے۔ نہیں یہ صرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں ان کا مقصد صرف ہمیں راہ راست سے بھٹکانا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کرنا ہے۔ اسی لیے یہ

کبھی بم برسا کر اپنے اندر کی آگ ٹھنڈی کرتے ہیں تو کبھی ہماری غربت کو ڈھال بنا کر یہ ہم سے ہمارا ایمان خریدنے چلے آتے ہیں۔ یہی تو شان ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے وابستگی کی کہ محض ان سے جڑے ہونے کے باعث یہ ہمیں خریدتے ہیں۔ ہمارے ایمان کا مول لگاتے ہیں ورنہ دنیا بھری پڑی ہے رنگ رنگ کے مذہب والے، بے آسرا لوگوں سے۔ ان کے پاس کیوں نہیں جاتے یہ۔ انہیں کیوں ایمان کے بدلے دولت میں نہیں تولتے۔"

"تیرا دماغ چل گیا ہے غلام محمد۔ سیدھی بات سمجھ میں نہیں آتی تجھے۔ اپنے حال کی طرف دیکھ ایک نظر، کوڑھ زدہ ہے تو۔ لوگوں کو تیری طرف دیکھتے ہوئے بھی گھن آتی ہے۔"

"لوگوں کو گھن آتی ہے بھاء میرے مالک کو نہیں آتی۔ وہ اب بھی مجھے روزی دے رہا ہے۔ اس نے نہیں کہا مجھ سے کہ جا غلام محمد تجھے کوڑھ لگ گیا ہے اب تو میری عبادت کے قابل نہیں رہا۔ جا آج سے تیرا رزق بند ہے۔"

تایا کی بات درمیان میں کاٹتے ہوئے غلام محمد نے پھر زبان کھولی تھی۔

اجالا ابھی بھی وہیں بیٹھی رہی۔

"ٹھیک ہے اگر یہی تیری مرضی و منشاء ہے تو خوش رہ۔ میرا فرض تھا تجھے سمجھانا تھا مگر تو خود ہی اپنا دشمن بنا ہوا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں تو آج سے ہی یہ بوسیدہ گھر، یہ گندا محلہ، یہ لوگ چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ تجھے عقل آ جائے تو بتا دینا۔ آ جاؤں گا تجھے لینے۔ نہیں تو پڑا سڑتا رہ یہاں۔ جب تجھے اپنا خیال نہیں تو میں کیوں کروں؟" تایا خفا ہو گیا تھا۔ اجالا کی جان پر بن گئی۔

وہ اس کا صرف تایا نہیں تھا۔ سسر بھی تھا۔ اسجد کا باپ بھی تھا۔ اس "اسجد" کا باپ کہ جس کی محبت خون بن کر اجالا کی رگوں میں سرائیت کر رہی تھی۔ وہ ان کے رخصت ہوتے ہی لپک کر اپنے باپ کی طرف آئی تھی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساط دل	آمنہ ریاض	500/-
زرد موسم	راحت جبیں	600/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چوہدری	400/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چوہدری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	500/-
بھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	250/-
یگیاں پیچہ ہارے	فائزہ افتخار	300/-
میں سے عورت	غزالہ عزیز	200/-
دل اسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-
بکھر جائیں خواب	آسیہ رزاقی	200/-
زخم کو ملتی مسیحائی سے	فوزیہ یاسمین	250/-
لالوں کا چاند	بشریٰ سعید	200/-
رنگ خوشبو ہوا بادل	افشاں آفریدی	450/-
درد کے فاصلے	رضیہ جمیل	500/-
آج صحن میں چاند نہیں	رضیہ جمیل	200/-
درد کی منزل	رضیہ جمیل	200/-
ہم سے دل بھرے مسافر	نسیم سحر قریشی	300/-
میری راہ میں دل گئی	میمونہ خورشید علی	225/-
شام آرزو	ام سلطانہ فخر	400/-

32216361

http://www.pakfunplace.com

"تایا کیوں آیا تھا ابا؟ اتنا غصہ کیوں ہو رہا تھا تجھ پہ؟"

غلام محمد نے بیٹی کے سوال پر سر اٹھانے سے پہلے آنکھیں خشک کی تھیں۔

"تیرے ابا کے ایمان کا سودا کرنے آیا تھا بیٹی۔ دنیا اور آخرت میں سے ایک چیز چھین لینے کا سوال لے کر آیا تھا۔ میں نے آخرت چھین لی۔"

"میں سمجھی نہیں ابا۔" وہ پریشان ہوئی تھی تو وہ بولے۔

"ہر کوئی کہاں سمجھ پاتا ہے میری دھی۔ ہر کسی کو کہاں سمجھ میں آتی ہیں یہ باتیں۔ اسی لیے تو نفسیاتی خواہشات غلبہ پالیتی ہیں اور انسان بھٹک کر اس راستے پر چل پڑتا ہے۔ جس کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔"

ان کی پلکیں اب بھی نم تھیں۔ اجالا حیران حیران سی انہیں دیکھے گئی۔

"تیرا تایا کہتا ہے میں اپنے دین سے پھر جاؤں۔ نبی آخری الزماں محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حرمت سے منکر ہو جاؤں۔ تم لوگوں کی چند روزہ عیش و عشرت کے لیے اپنے ایمان کا سودا کرلوں وہ دین کہ جس میں سکون و نجات ہے۔ اس میں ترمیم کرلوں۔ تو بتا اجالا! کیا میں نے ساری زندگی تم لوگوں کو پیٹ بھر کر کھلانے کے لیے کڑی محنت نہیں کی۔؟ کیا میرے رب نے تم لوگوں کو فاقے کی تکلیف دکھائی؟ کسی کڑے امتحان کی بھینٹ چڑھایا۔ اپنی ہزار نعمتوں کے ساتھ کبھی کوئی معمولی سی آفت میں بھی بے یارو مددگار چھوڑا۔؟ نہیں نا۔ پھر بھی پھر بھی تیرا تایا کہتا ہے کہ میں اپنے دین و ایمان سے پھر جاؤں۔ کیا میں کر سکتا ہوں ایسا؟ نہیں۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔

میرے رب کا احسان ہے مجھ پر کہ اس نے مجھے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امت سے پیدا فرمایا۔ اس کا حق ہے مجھ پر کہ وہ مجھے جیسے چاہے حال میں رکھ کر آزمائے۔ میری اوقات نہیں ہے کہ میں اس رحیم و رحمٰن کو آزماؤں' اس سے اپنی مشکلات کا گلہ کروں۔ یا ان مصائب سے ہار مان کر اس کے نافرمان بندوں کی لسٹ میں شامل ہو جاؤں۔ کیا گارنٹی ہے ان لوگوں کے پاس کہ یہ ہمیشہ یونہی جیتے رہیں گے' انہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔" دبا دبا سا جوش لیے غلام محمد کی آواز کانپ رہی تھی۔ اجالا کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

"تایا کیسے ہو سکتا ہے ابا۔ تایا اتنی بڑی بات کیسے کہہ سکتا ہے؟"

"وہ کہہ گیا ہے بیٹی۔ اس نے دنیا و آخرت میں سے دنیا چھین لی ہے۔"

ابا کے الفاظ پر اجالا کو لگا جیسے اس کا دماغ سن ہو گیا ہو۔ "اگر تایا اپنے دین سے پھر رہا تھا تو اسجد؟" اور یہاں آکر اس کا دل بہت تیزی سے دھڑکا تھا۔

"میں اسجد سے بات کروں گی ابا۔ وہ تایا کو سمجھا دے گا۔ تو پریشان نہ ہو۔" باپ سے زیادہ خود کو تسلی دے کر وہ وہاں سے اٹھ آئی تھی مگر سکون و قرار جیسے اس کا بھی رخصت ہو چکا تھا' غلام محمد نے اس کی تسلی پر چپ چاپ پلکیں موندلی تھیں۔ یوں جیسے وہ کہیں گم ہو گئے ہوں۔

ان کے دماغ میں اس وقت ایک ہی شعر بار بار گونج رہا تھا۔

گنہگاروں کو جب جنت کے دروازے پر روکیں گے
آواز آئے گی جانے دو یہ امت ہے محمدؐ کی

اور آنسو تھے کہ لگاتار بہتے ہی چلے جا رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

بارش مزید تیز ہو رہی تھی۔

بھاگتے بھاگتے پھولی سانسوں کے ساتھ اچانک اسے زور کی ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل گر پڑی۔

"اللہ۔" تکلیف کی شدت سے اس کی سسکاری نکل گئی تھی۔ جبکہ آنکھوں میں جیسے ریت گھس آئی' اس کا دوپٹہ جانے کہاں گر گیا تھا۔ تیز ہوتی بارش کی ہر بوند کے ساتھ اس کے حوصلے جیسے دم توڑ رہے تھے مگر پھر بھی وہ اٹھی تھی اور اس نے پیچھے مڑ کر دیکھتے

ہوئے پھر بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ آبادی اب زیادہ دور نہیں رہ گئی تھی۔ پیروں میں پڑے آبلوں کی تکلیف کا احساس اسے اب ہونا شروع ہوا تھا۔

بارش کے پانی میں پڑتے قدموں کی چاپ قریب آرہی تھی اس نے اپنی رفتار مزید تیز کر لی۔

☆ ☆ ☆

"مصحف ۔۔۔ بس کر یار ۔۔۔ اور کتنی پیئے گا تو ۔۔۔؟"

وہ سب مصحف علی میر کے گھر پر جمع موج مستی کر رہے تھے۔ جب اسے چھٹا پیگ تیار کرتے دیکھ کر شہریار نے گلاس اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ مصحف کی آنکھیں خوب سرخ ہو رہی تھیں۔

"آج نانو گھر پر نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تو ساری حدود ہی پھلانگ جائے۔ تھوڑا بہت ہوش قائم رکھ۔ آخر کل اس وقت ہمارے جانے کے بعد تجھے سارا کام بھی سنبھالنا ہے۔" وہ اسے ڈانٹ رہا تھا۔ مصحف نے بے نیازی سے مسکرا دیا۔

"کام سنبھالتی ہے میری جوتی۔ تم سارے بندر کس مرض کی دوا ہو؟ جو گند بکھیرا ہے اسے سمیٹ کر بھی جاؤ۔"

"تم بھول رہے ہو شہزادے کہ یہ دعوت خالصتاً تمہاری طرف سے تھی۔"

"سو واٹ۔ چلو بیٹو شاباش۔ نانو کو ذرا بھی پتا چل گیا تو نکال باہر کریں گی گھر سے۔"

ہاتھ چھٹے پیگ کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ عین اسی لمحے گیٹ پر زوردار دستک ہوئی۔

"مارے گئے۔ لگتا ہے نانو واپس آگئیں۔"

صرف ایک لمحے میں اس کا حال دیکھنے والا تھا۔ باقی سب جیسے اپنی جگہ فریز ہو گئے۔

"اب کیا ہو گا یار؟" شاہ میر نے لپک کر ٹی وی آف کرتے ہوئے پوچھا تھا۔ جبکہ حمزہ نے میز پر پڑے لوازمات جلدی جلدی سمیٹنے شروع کر دیئے تھے۔ دستک زور و شور سے جاری تھی۔

"لگتا ہے کسی نے مخبری کر دی ہے ہماری' ورنہ نانو اتنی جلدی نہیں لوٹ سکتیں۔" وہ بھی متفکر تھا۔

"خیر میں دیکھتا ہوں تم لوگ ذرا ادھر ادھر ہو جاؤ' شاباش۔" کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے اس نے دائیں ہاتھ سے لباس کی شکنیں درست کیں۔ پھر جل تو جلال تو کا ورد کرتا گیٹ کی طرف بڑھ آیا۔ یہ بھی اچھا تھا کہ چوکیدار آج چھٹی پر تھا ورنہ جانے کیا ہوتا۔

گیٹ تک آتے آتے کوئی دسویں بار پھر دستک ہوئی تھی۔ مصحف نے مزید تاخیر کیے بنا جلدی سے گیٹ وا کر دیا' نانو کے ڈر سے اسے باہر موجود ہستی کی تصدیق کرنے کا خیال بھی نہیں آیا تھا اور ادھر بارش تھی کہ پل میں اسے اچھا خاصا بھگو گئی تھی۔

گیٹ کھلتے ہی کوئی تیزی سے اندر داخل ہوا تھا اور پھر جس تیزی سے وہ اندر داخل ہوا تھا اسی تیزی سے اس نے گیٹ کو لاک بھی کیا تھا۔

"کون ہو تم؟" جونہی وہ پلٹی مصحف کی آنکھوں میں حیرانی اتر آئی جبکہ وہ بے ترتیب سانس درست کرتی وہیں گیٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

میں عبد القادر ہوں
ثروت نذیر
قیمت -/225 روپے
32735021

http://www.pakfunplace.com

"وہ۔ وہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔ خدا کا واسطہ ہے آپ کو انہیں اندر آنے مت دینا۔"

وہ نا صرف رو رہی تھی بلکہ کانپ بھی رہی تھی۔ مصحف الجھ کر رہ گیا۔

"کون لوگ مار ڈالیں گے تمہیں۔"

"وہ۔ وہ میرے پیچھے آرہے ہیں' انہوں نے۔ انہوں نے مجھے دیکھ لیا ہے۔" وہ اب رو بھی رہی تھی۔ مصحف کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسے گیٹ کھولنے پر کسی ایسی صورت حال کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔ لڑکی کے خدشے کے عین مطابق گیٹ پر اب ایک بار پھر دستک ہو رہی تھی۔ مصحف نے دیکھا لڑکی کا چہرہ خوف سے لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔ اسی لمحے شہریار، حمزہ اور شاہ میر اس کے پیچھے آگئے تھے۔

"مصحف۔ سب ٹھیک تو ہے نا؟"

"ہوں۔ تم ذرا گیٹ کھولو اور باہر جو بھی ہو اسے یہاں سے دفعان کرنے کی کوشش کرو' میں ذرا اس لڑکی سے نبٹ لوں۔" فی الحال انہیں کچھ بھی بتانے سے گریز کرتے ہوئے اس نے لڑکی کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور اندر ٹی وی لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔ لڑکی شکستہ قدموں سے اس کے پیچھے آئی تھی' جبکہ وہ تینوں ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے یہ سب دیکھتے رہے۔ دستک ایک مرتبہ پھر جاری تھی۔ شاہ میر نے آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا۔

"جی فرمائیے۔" باہر کھڑے دو صحت مند' چست و چالاک لڑکوں کو دیکھتے ہوئے اس نے تیوری چڑھائی تھی' جب ایک لڑکا آگے بڑھا۔

"ابھی جو لڑکی اس گھر میں داخل ہوئی تھی اسے باہر نکالو۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے' یہاں کوئی نہیں آیا۔"

"ہم نے خود دیکھا ہے اسے۔ زیادہ اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" دوسرا لڑکا پیچھے سے چلایا تھا۔ شہریار کو غصہ آگیا۔

"تم سائیڈ پر آؤ شاہ میر۔ میں نبٹتا ہوں اس سے۔"

"نہیں۔ فضول میں ہمیں کسی کے منہ لگنے کی ضرورت نہیں ہے۔" نرمی سے کہتے ہوئے اس نے گیٹ بند کرنے کی کوشش کی تھی' جب آگے کھڑے لڑکے نے گیٹ کو زوردار ٹھوکر ماری اور شاہ میر لڑکھڑا گیا۔

"ہمارا شکار تم ہڑپ نہیں کر سکتے' سمجھے۔" وہ دونوں وارننگ دیتے ہوئے اندر گھس آئے تھے' پیچھے کھڑے لڑکے کے ہاتھ میں پسٹل تھی' مصحف لڑکی سے پوچھ گچھ کا ارادہ ترک کرتا خود بھی تیزی سے باہر دوڑ آیا۔

"کیا بدتمیزی ہے؟" اسے معاملے کی سنگینی کا احساس ہو گیا تھا۔ سارا نشہ اس لمحے جیسے ہوا ہو گیا۔ تب ہی وہ چلایا تھا۔ شاہ میر اور حمزہ اب لڑکوں سے گتھم گتھا ہو رہے تھے' جبکہ شہریار ان کے بچاؤ کی کوشش کر رہا تھا۔

"کتنے چوہے گھسا رکھے ہیں یہاں؟" پسٹل والے لڑکے نے حمزہ کے سر پر وار کیا تھا۔ تاہم اس سے پہلے کہ وہ فائر کرتا' مصحف نے اسے قابو کر لیا۔

"چوہے نہیں شیر ہیں یہ۔ شیر۔ چوہے تو تم لوگ ہو جو بزدلوں کی طرح گھس آئے ہو۔"

"شٹ اپ۔" لڑکا چلایا تھا اور اس کے ساتھ ہی پسٹل چھیننے کی کوشش میں فائر ہو گیا جو کہ سیدھا مصحف کے دائیں بازو میں لگا۔ وہیں فضا میں ایک نسوانی چیخ بلند ہوئی تھی اور اسی کے ساتھ شہریار اور حمزہ ان لڑکوں پر جیسے بھوکے شیروں کی طرح پل پڑے۔ جبکہ شاہ میر مصحف کو سنبھال رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" دایاں بازو لٹک جانے کے باوجود اس نے اپنے دوست کو تسلی دی تھی کہ ان چاروں کی جان تھی ایک دوسرے میں۔ لڑکے اچھی خاصی درگت کے بعد وہاں سے بھاگ گئے۔ تاہم حمزہ اور شہریار کو معمولی سا زخمی بھی کر گئے۔

"سوری یار۔" مصحف ان تینوں سے شرمندہ تھا کہ اسی کی وجہ سے اس کے دوستوں کو یہ مشکل فیس کرنا پڑی' تاہم وہ تینوں اسے گھور رہے تھے۔

"ایک نمبر کے احمق ہو تم۔ کیا ضرورت تھی اس

شر کو گھر میں پناہ دے کر پرایا پھڈا مول لینے کی؟ پتا تو ہے ان لڑکیوں کا' پہلے چکر چلا لیتی ہیں' ماں باپ کی عزت کا سودا کر لیتی ہیں' پھر گھروں سے بھاگ کر ایسے اوباشوں کے ہاتھ لگ جاتی ہیں تو چیختی ہیں' ہم چاروں کو مروا دینا تھا اس فتنے نے۔" حمزہ کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ لڑکی کا چہرہ تھپڑوں سے سرخ کر دیتا۔ مصحف خود بھی پچھتا رہا تھا۔ اگر نانو وہاں ہوتیں تو اس کی اچھی خاصی کلاس لینی تھی۔

"چل لب۔ اس بازو کا کچھ کر دوا۔ دیکھ کیسے خون رس رہا ہے۔" شاہ میر کی نظر اس کے زخمی ہاتھ پر تھی' شہریار تیزی سے گیراج کی طرف بڑھ گیا۔

"تم ذرا اس لڑکی کا دھیان رکھنا حمزہ۔ ہم ابھی واپس آکر خبر لیتے ہیں اس کی۔" گیٹ سے باہر نکلتے نکلتے شہریار حمزہ کو ہدایت کرنا نہیں بھولا تھا۔ حمزہ چپ چاپ اثبات میں سر ہلا کر گیٹ بند کرتے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں پلٹ آیا' جہاں وہ ایک کونے میں دبکی بیٹھی شدت سے رو رہی تھی۔

"اب کیا مصیبت پڑ گئی ہے تمہیں جو یوں رو رہی ہو۔ میرے یار کو تو فائر لگوا دیا ہے' اب کیا چاہتی ہو وہ کسی دن آکر یہاں سب کا کام تمام کر جائیں؟" اسے غصہ آیا تھا۔ لڑکی نے منہ گھٹنوں میں چھپا کر اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹ دیا۔

"ہونہہ۔ پہلے جوانی قابو میں نہیں آتی' کوئی آگے سے ہوشیار نکل آئے تو جان بچانے کے لیے بھاگتی پھرتی ہیں اور دوسروں کو مصیبت میں ڈالتی ہیں' میرا بس چلے تو تم جیسی ساری لڑکیوں کو سولی پر لٹکا دوں۔" وہ آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ لڑکی نے سر گھٹنوں سے نہیں اٹھایا۔ اگلے پون گھنٹے میں مصحف لوگ واپس آگئے۔ شہریار اور شاہ میر دونوں ہی اس کے لیے متفکر تھے۔

"یہ مصیبت ابھی تک یہیں موجود ہے۔ نکال باہر کیوں نہیں کیا اسے؟" ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوتے شہریار کی چنگھاڑ پر لڑکی نے سر گھٹنوں سے اٹھایا تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شاید اسے پکڑ کر دھکے دیتے ہوئے گھر سے نکالنے کے لیے۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" اس کے سمٹنے پر وہ رک گیا تھا۔ لڑکی چپ چاپ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے سفید چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔

"کہاں جاؤں اس اندھیری طوفانی رات میں؟ جبکہ باہر بھیڑیے گھات لگائے بیٹھے ہیں' اگر میں آپ کی بہن ہوتی تو کیا تب بھی آپ۔"

"تم جیسی بہن ہوتی میری تو یہاں تک نوبت ہی نہیں آتی' میں پہلے ہی گلا دبا کر کام تمام کر دیتا تمہارا۔" وہ چلایا تھا۔ مصحف ایک نظر لڑکی کے ستے ہوئے چہرے پر ڈالتا خاموشی سے صوفے پر ٹک گیا۔

"تو پھر گلا دبا کر کام تمام کر دیجیے میرا۔ ذلت کی موت سے عزت کی موت ہزار بار قبول ہے مجھے۔" لڑکی کا اعتماد شاید بحال ہو چکا تھا۔ شہریار اس کی ہٹ دھرمی پر جھنجلا اٹھا۔

"بہت ہوشیار سمجھتی ہو اپنے آپ کو۔ میں کیوں تم جیسی دو ٹکے کی لڑکی کا خون اپنے سر لوں؟"

"دو ٹکے کی بھی نہیں ہوں میں۔" اس کی نفرت پر وہ چلائی تھی۔

"ایک ٹکے کی حیثیت بھی نہیں ہے میری' آپ اپنی طرف دیکھیے' آپ کتنے ٹکوں کے ہیں؟" وہ اب خوف کا شکار نہیں تھی۔ شہریار کے ساتھ ساتھ باقی تینوں بھی اس کی جرات پر دنگ رہ گئے۔

"صرف ایک رات پناہ دے دیجیے اس چار دیواری میں' صبح کہیں نہ کہیں چلی جاؤں گی۔" اگلے ہی پل ٹون بدلی تھی اور وہ ایک نظر ان چاروں پر ڈالتی ٹی وی لاؤنج سے باہر نکل گئی تھی۔

"یار یہ لڑکی ہے یا کوئی بلا ہے۔" شاہ میر متفکر ہوا تھا' مصحف مسکرا دیا۔

"مجھے تو بلا ہی لگتی ہے کوئی' باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔"

"کم بخت نے سارے رنگ میں بھنگ ڈال دیا' صبح نانو کی واپسی سے پہلے اسے یہاں سے دفعان کر دینا' نہیں تو ہم چاروں کی خیر نہیں ہے۔" شہریار تھکا تھکا سا

مصحف کے برابر جم گیا تھا۔ تب ہی حمزہ ہونٹ دباتے ہوئے بولا۔

"نقصان ہی کرنا ہے تو کیوں نہ موقع سے فائدہ اٹھائیں' شراب موجود ہے' شباب کا انتظام قدرت نے کردیا' دیکھا نہیں کیا غضب کا سراپا ہے اس کا۔"

اس کی تجویز پر ان تینوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

"وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔" مصحف نے نظریں چرائی تھیں۔

"تمہیں کیسے پتا وہ ایسی لڑکی نہیں ہے؟" حمزہ کو اس کی فوری بری لگی تھی۔

"پتا نہیں۔ بس اسے دیکھ کر لگتا ہے وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔"

"واہ۔ سبحان اللہ۔ ایک ہی رات میں بڑے نظر شناس ہوگئے ہو' جتنی مصیبت میں اس نے ہمیں ڈالی ہے اس کے بعد ہمارا یہ حق بنتا ہے کہ ہم اس سے لطف اٹھائیں۔"

"شٹ اپ حمزہ۔ وہ کسی مشکل کا شکار بھی ہوسکتی ہے۔ ہم لاکھ عیاش سہی مگر اتنے بھی گرے ہوئے نہیں ہیں کہ پناہ دے کر کسی کو لوٹ لیں۔"

"یاروں سے غداری' غیروں سے وفاداری' واہ۔" شاہ میر کے لبوں پر تمسخرانہ مسکراہٹ پھیلی تھی' مصحف جھنجلا گیا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم لوگ میری بلا سے۔"

"اوکے یار۔ فی الحال تو گھر جارہے ہیں۔ ورنہ میرے تو ہٹلر فادر شام کے بعد گھر سے نکلنے پر پابندی لگادیں گے' تو گرم نہ ہو۔ عیش کر۔" شاہ میر سب سے پہلے کہتے ہوئے کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ حمزہ اور شہریار بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جانے کو دل تو نہیں چاہتا' پھر بھی مجبوری ہے یار۔ کسی بھی قسم کی کوئی گڑبڑ ہو تو فوری اطلاع دینا' میرا آج رات سونے کا کوئی موڈ نہیں۔" حمزہ نے اس کا کاندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا' مصحف پلکیں موندے بے نیاز بیٹھا رہا۔

"چل اٹھ اب۔ گیٹ لاک کر۔ جارہے ہیں ہم۔"

اس بار شہریار نے صدا دی تھی۔ مصحف قطعی دل نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ باہر بارش اب تھم چکی تھی۔ اس کا دماغ جیسے رفتہ رفتہ سن ہو رہا تھا۔ کچھ تو نشے کا اثر تھا اور کچھ دوا کا' وہ گیٹ لاک کرکے واپس پلٹا تو لڑکی گھٹنوں میں سر دیے وہیں برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی دکھائی دی' وہ اسے یکسر نظر انداز کرتا اندر چلا آیا اور کچھ ہی دیر میں شدت سے طاری ہوتی غنودگی نے اسے دنیا ومافیہا سے بے خبر کردیا۔

☼ ☼ ☼

"کون ہو تم؟" ہٹلر نانو کی سواری باد بہاری اگلے روز مصحف کی بیداری سے قبل ہی پہنچ گئی تھی۔ گیٹ بخار میں جلتی پھنکتی لڑکی کو کھولنا پڑا تھا' تب ہی وہ ٹھٹکی تھیں۔

"جی میں۔ میں ایمان۔" گڑبڑا کر وہ محض یہ ہی جواب دے سکی۔ نانو ٹیکسی والے کو فارغ کرنے کے بعد اسے سائیڈ پر کرتی ہوئی اندر چلی آئیں۔

"کون ایمان؟ یہاں کیا کررہی ہو؟" رات وہ لڑکے جس نانو کا ذکر کرتے ہوئے ڈر رہے تھے۔ وہ یقیناً یہ وہ ہی نانو ہیں اور انہیں دیکھتے ہوئے اندازہ لگانا قطعی مشکل نہیں تھا کہ اب اس [illegible] کیا ہی چاہتی ہے۔ تب ہی وہ سر جھکا [illegible]۔

"بولتی کیوں نہیں ہو۔ مجھے پہلے ہی شک تھا اس لڑکے نے ضرور کوئی چکر چلا رکھا ہے۔ تب ہی شادی کی [illegible] آج آنکھوں سے دیکھ کر ثبوت بھی مل گیا [illegible] سمجھے' میں اچانک نہیں آسکتی' یہ [illegible] صحفی کا بچہ۔ ذرا میں درگت بناؤں اس [illegible]" تیز لہجے میں بولتے بولتے وہ اس کی خاموشی پر اندر کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ مگر مصحف کے کمرے کی کھلی دہلیز پر قدم رکھتے ہی انہیں ایک اور جھٹکا لگا تھا۔ نظر کے سامنے ہی وہ بے ترتیب سائیڈ پر لیٹا تھا اور اس کے دائیں بازو پر پٹی بندھی تھی جس پر لگا خون صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے وہ جیسے دہل ہی

گئیں۔

"مصحف۔" سارا غصہ' ساری خفگی بھولتے ہوئے وہ اس کی طرف لپکی تھیں۔ گہری نیند میں سوئے مصحف کی آنکھ بمشکل ہی کھل سکی۔

"نانو۔ آپ کب آئیں؟"

"ابھی آئی ہوں' تو بتا یہ بازو پر کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں نانو۔ ذرا سی چوٹ آئی ہے۔ آپ اندر کیسے آئیں؟ کیا دیوار پھلانگ کر؟" وہ حیران ہوا تھا' نانو سلگ گئیں۔

"ہاں۔ اس عمر میں دیوار ہی پھلانگوائے گا تو مجھ سے۔ تجھے۔" ایک گھونسا جڑا تھا بازو پر اور وہ کراہ کر رہ گیا۔

"ہائے۔"

"ہائے کے بچے۔ وہ لڑکی بتا کون ہے جو باہر کھڑی ہے؟"

"مجھے کیا پتا کون ہے' ہوگی کوئی آپ کی ہوتی سوتی۔" ابھی اس کا دماغ روشن نہیں ہوا تھا۔ اچانک رات کا خیال آیا تو آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔

"وہ گئی نہیں ابھی تک۔" بے خیالی میں وہ اونچا بول گیا تھا۔ نانو کے ہاتھ سرا لگ گیا۔

"دیکھا میں کہتی تھی نا کوئی چکر ہے' ہائے اب کیا جواب دوں گی انصی کو میں۔ وہ بے چاری تو میری آس پر ہی چار سال سے جوان بیٹی لے کر بیٹھی ہے۔" ان کے افسوس بھرے بیانات جاری ہونا شروع ہوگئے تھے مصحف بوکھلا کر رہ گیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے نانو۔ آپ کی قسم میں تو اسے جانتا بھی نہیں' آپ چاہیں تو ابھی بلا کر پوچھ لیں اس سے۔" انصی خالہ کی جوان بیٹی سے ہاتھ دھونے کا حوصلہ اس میں نہیں تھا' تب ہی فوراً صفائی پیش کی تھی مگر نانو نے اس کا قطعی یقین نہیں کیا۔

"دیکھو اس بند کے۔ تو جانتا نہیں تو وہ ہمارے گھر میں کیا کررہی ہے؟"

"مجھے کیا پتا کیا کررہی ہے' میں تو ابھی اٹھا ہوں' اسی سے پوچھیے نا' وہ کیا کررہی ہے۔" وہ چاہتا تھا لڑکی اپنی کہانی اپنی زبانی نانو کو سنا کر اپنی اور اس کی پوزیشن کلیئر کرے' تب ہی اس نے انہیں کچھ بھی بتانے سے احتراز کیا تھا۔ نانو اب کمرے سے باہر جارہی تھیں' وہ بھی ان کے ساتھ ہی بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اے لڑکی۔ ادھر آؤ۔" جارحانہ تیوروں کے ساتھ نانو کی توپوں کا رخ اس اجنبی لڑکی کی جانب مڑ چکا تھا جو ابھی بھی اپنا وجود سمیٹے بیٹھی تھی۔ مصحف کو بے ساختہ ہی عجیب سی شرمندگی کا احساس ہوا' وہ ساری رات سرد موسم میں بنا کسی آنچل کے کیسے باہر بیٹھی رہی ہوگی؟

"جی۔" لڑکی کے چہرے سے ہی اس کی طبیعت کی خرابی کا پتا چل رہا تھا۔

"کون ہو تم۔ اور یہاں اس گھر میں کیا کررہی ہو؟"

نانو خود چل کر اس لڑکی تک آئی تھیں۔ جبکہ مصحف شرمندہ سا وہیں کھڑا رہا۔

"بتایا تو ہے میرا نام ایمان ہے۔ اور میں۔ یہاں کیا کررہی ہوں۔ تو یہ ان سے پوچھیے' اپنے نواسے سے۔ جس نے اپنا نام تو دے دیا مگر کوئی مقام نہیں دیا۔"

کوئی بم ہی تھا جو مصحف اور نانو کو اپنی سماعتوں میں بلاسٹ ہوتا سنائی دیا تھا۔ نانو نہیں جانتی تھیں کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس اجنبی لڑکی کے سامنے اپنے نواسے پر جس شک اور بداعتمادی کا اظہار وہ کرکے گئی تھیں اسی نے اس اجنبی لڑکی کو پناہ اور تحفظ کے لیے جھوٹ کی یہ راہ دکھائی تھی۔

"واٹ۔" مصحف اس کے سفید جھوٹ پر ششدر رہ گیا تھا۔ تبھی وہ اس کی طرف لپکا تھا۔

"یہ کیا بکواس ہے۔ میں تو جانتا بھی نہیں تمہیں۔ صاف صاف بتاؤ نانو کو کہ کون ہو تم اور رات کن لڑکوں کے خوف سے یہاں اس گھر میں پناہ لی تھی تم نے۔"

وہ نانو کی شکی طبیعت سے بخوبی واقف تھا تبھی گھبرا گیا تھا مگر لڑکی نے پروا نہیں کی۔ عجیب بے نیازی سے وہ اب بھی کہہ رہی تھی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اتنے بزدل نکلو گے۔ ورنہ ماں باپ کے گھر کی دیواریں کبھی پھلانگ کر نہ آتی تمہارے لیے۔ مجھے کیا پتا تھا نکاح کے بعد بھی کسی کچرے کی طرح چھپاتے پھرو گے تم مجھے۔۔۔ ورنہ کبھی تمہارے ساتھ یہاں نہ آتی۔" اس کی آنکھیں اب آنسوؤں سے جھلملائی تھیں۔ نانو کا دل اس کی حالت پر پگھل گیا۔

"نری بکواس ہے یہ۔ تم نانو کے سامنے میرا امیج خراب کر رہی ہو، یہ صلہ دیا ہے میرے احسان کا۔ اس سے تو بہتر تھا میں رات ہی دھکے دے کر یہاں سے نکال باہر کرتا تمہیں۔"

"ہاں۔ مجھ غریب لاوارث سے نکاح کر کے احسان ہی تو کیا ہے آپ نے۔ مگر کب تک یہ بات سب سے چھپائیں گے آپ۔ ایک نہ ایک دن تو کسی کو پتا لگنا ہی تھا تو پھر آج کیوں نہیں۔ نانو بھی ایک عورت ہیں۔ یہ میرے ساتھ کبھی ظلم نہیں کریں گی۔ مجھے یقین ہے۔" بلا کی خود اعتمادی تھی اس کے لہجے میں۔ مصحف کی عقل جواب دے گئی۔

"بند کرو یہ ڈرامہ۔ خوب سمجھ گیا ہوں میں تم جیسی آوارہ بدچلن لڑکی کی چال، تم یہ ساری بکواس کر کے میری نانو کو بے وقوف بنانا چاہتی ہو، تاکہ جتنا مال یہاں اس گھر سے ہاتھ لگ سکتا ہے اڑا کر اپنے ان رات والے عاشقوں کی مدد کر سکو۔ صحیح کہتا تھا حمزہ تم شر ہو۔ تم لڑکیوں سے بھلائی کی امید رکھنا ہی بے وقوفی ہے۔"

وہ جلا تھا اور جی بھر کر جلا تھا۔ لڑکی کے آنسوؤں کی روانی میں مزید شدت آگئی۔ تبھی نانو بولی تھیں۔

"بکواس بند کرو مصحف، بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں میں تمہیں۔ یہ بچی جھوٹ نہیں بول رہی۔ یہ تم ہو جو جھوٹے ہو۔"

"نانو۔ نانو آپ اس دو ٹکے کی آوارہ، بدچلن، اجنبی لڑکی کو اپنے نواسے پر ترجیح دے رہی ہیں۔" وہ شدت غم سے جیسے گنگ ہی تو ہو گیا تھا۔

"ہاں۔ کوئی بھی لڑکی اپنی عزت کے لیے اتنی بڑی بات یونہی نہیں کہہ سکتی۔ یہ تو اتنا اچھا ہے کہ یونہی کسی کو گھر میں گھسنے دے۔" نانو بھی اپنے نام کی ایک ہی تھیں۔ وہ سر پیٹ کر رہ گیا۔

"ایک منٹ رکیں، میں ابھی حمزہ، شہریار، شاہ میر وغیرہ کو بلاتا ہوں، وہی دودھ کا دودھ پانی کا پانی کریں گے آپ کے سامنے۔"

"بس رہنے دو۔ بڑے آئے وہ جادوگر کہیں کے۔ جیسے تم ویسے تمہارے دوست۔ میں اس بچی کو بے آسرا نہیں چھوڑ سکتی۔"

وہ واقعی رحم دل خاتون تھیں۔ ایمان نامی لڑکی کی آنکھیں تشکر کے آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"چلو بیٹی۔ اندر چلو۔" لڑکی کے حال پر دل گرفتہ ہوتی وہ بنا مصحف کی پروا کیے اسے اندر لے گئی تھیں۔ پیچھے مصحف اپنا درد و تازہ زخم بھول کر ان تینوں کے نمبر ٹرائی کر رہا تھا جو رات بھر جاگنے کے بعد اب خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔

✫ ✫ ✫

ان کا گھر اگرچہ پرانی طرز کا بنا ہوا تھا مگر وہ ان کے سر چھپانے کے لیے ایک بہترین ٹھکانہ تھا۔ عبداللہ صاحب نے اپنی زندگی میں ہی دونوں بیٹوں کے حصے الگ کر دیئے تھے۔ غلام عباس صاحب بڑے تھے اور ان کی کپڑے کی دکان تھی جبکہ غلام محمد صاحب ان سے پورے چھ برس چھوٹے تھے اور انہوں نے باپ کی خواہش پر دس جماعت پاس کر کے مقامی اسکول میں درس و تدریس کا پیشہ اپنا لیا تھا۔

عبداللہ صاحب مقامی مسجد کے امام تھے اور ان کی زندگی کے بہت سے سال لوگوں کو اچھائی و بھلائی کی تبلیغ کرتے میں بسر ہوئے تھے۔ یوں تو دونوں بیٹوں پر ہی ان کا رعب تھا تاہم غلام محمد صاحب اپنے اچھے اوصاف کی بنا پر ان کے زیادہ قریب تھے اور ان کا زیادہ وقت عبداللہ صاحب کے ساتھ ہی مسجد میں بسر ہوتا تھا۔

ان کی ماں ایک نیک اور پرہیزگار خاتون تھیں۔ جن کے وجود کی ایک انوکھی سی خوشبو سے سارا گھر

مہکتا تھا۔ عبداللہ صاحب اکثر انہیں بتاتے تھے کہ ان کی زندگی اور جوانی شادی سے پہلے بہت فضول تھی، زندگی میں "بھاگ بھری" کی آمد کے بعد، وہ جیسے جادوئی طریقے سے بدلتے چلے گئے۔ ایک نیک مومن عورت نے اپنی محبت اور کوششوں سے انہیں اللہ کے بہت قریب کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی وفات کے بعد وہ بہت زیادہ عاجز ہو گئے تھے۔ ساری ساری رات مسجد میں ایک کونے میں بیٹھے اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے اور پرسکون خوش رہتے۔

عبداللہ صاحب کی غلام محمد صاحب سے خصوصی انسیت کے باعث غلام عباس صاحب کی کبھی اپنے چھوٹے بھائی سے نہیں بنی تھی۔ وہ اپنی من مانی کرنے والے ضدی انسان تھے، یہی وجہ تھی کہ ابھی اٹھارہ سال کے ہوئے تھے کہ ایک روز بنا کسی کو بتائے اپنی دکان پر آنے والی ایک خوبصورت دوشیزہ سے چوری چھپے شادی کر لی، بات زیادہ دن چھپی نہیں رہ سکی تھی، یہی وجہ تھی کہ محلے میں بے پناہ اچھی شہرت رکھنے والے عبداللہ صاحب نے بیٹے کی اس شرمناک حرکت کو ایسا دل پر لیا کہ پھر سنبھل ہی نہ سکے اور پندرہ روز کے اندر اندر دل کے دورے کا شکار ہو کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

باپ کی وفات کے بعد غلام محمد صاحب دنیا سے مزید کنارہ کش ہو کر اللہ رب العزت کی پاک و بے نیاز ذات سے اور قریب ہو گئے۔ ادھر غلام عباس کی شادی کو ابھی ایک سال ہی ہوا تھا کہ قدرت نے انہیں بے حد خوبصورت بیٹے سے نواز دیا۔ تاہم یہ شادی زیادہ عرصے نہیں چل سکی تھی۔ گھر میں روز کا معمول بنتے چھوٹے چھوٹے جھگڑوں کا انجام بالآخر طلاق پر ہوا تھا اور یوں غلام عباس صاحب شادی کے محض دو سال بعد بیوی کے ساتھ ساتھ بچے سے بھی محروم ہو گئے۔

غلام محمد صاحب کی شادی ان کی مرضی کے قطعی خلاف غلام عباس صاحب نے اپنی مرضی سے کی تھی۔ کیونکہ دوسری بار وہ جس خاتون سے شادی کے خواہشمند تھے ان کے گھر والے اپنی دونوں بیٹیاں ایک ہی گھر میں بیاہنے کا ارادہ رکھتے تھے یوں بھائی کی پسند و خوشی کو قطعی اہمیت نہ دیتے ہوئے غلام عباس صاحب نے اپنا گھر بسانے کے لیے ان کی خالص ذاتی زندگی کا فیصلہ بھی خود کر لیا اور شہناز بیگم کے ساتھ ساتھ شمشاد بیگم بھی پورے چاؤ کے ساتھ بیاہ کر اس گھر میں چلی آئیں۔

غلام محمد صاحب نے دل ٹوٹنے کے باوجود صرف اپنے بھائی کا مان رکھنے کے لیے اپنی تیکھے مزاج کی گمراہ بیوی کے ساتھ نبھانے کی پوری کوشش کی اور اس کے بطن سے جنم لینے والے اپنے بچوں اجالا، عباد، ندا، حمنہ اور سعد کی بہترین پرورش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ وہ مقامی اسکول میں درمیانے درجے کے استاد تھے اور اپنی پوری تنخواہ بیوی کے ہاتھ پر لا کر رکھتے تھے۔ اس کے باوجود گھر میں لڑائی تھی کہ کبھی ختم نہ ہوتی تھی۔

غلام عباس صاحب کے دوسری بیوی سے دو بیٹے امجد اور ولید تھے جبکہ ایک بیٹی ماریہ تھی۔ غلام محمد صاحب کی نسبت ان کے گھر میں امن تھا کیونکہ وہ بیوی اور بچوں کے حکم کے غلام تھے اور ان کی خوشی و خواہشات کے لیے جائز و ناجائز حدود ان کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی تھیں۔

غلام محمد صاحب کے بچوں میں اجالا اپنے نام کی طرح بے حد صاف رنگت کی حامل نہایت خوبصورت لڑکی تھی، اسی لیے اس کی پیدائش پر شہناز بیگم نے اسے اپنے بڑے بیٹے امجد کے لیے مانگ لیا تھا۔ وہ ابھی میٹرک میں تھی کہ غلام محمد صاحب ایک چھوٹے سے ایکسیڈنٹ کا شکار ہو کر ٹانگ پر چوٹ لگوا بیٹھے، مناسب علاج نہ ہونے کے سبب زخم بگڑتا گیا اور آہستہ آہستہ کوڑھ میں بدل گیا۔ بچے بڑے ہو رہے تھے اور حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ گھر میں فاقوں نے ڈیرے ڈالے تو ان کی بیوی شمشاد بیگم نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور زبردستی طلاق لے کر اپنا علیحدہ گھر بسا لیا۔ ماں کے اس اقدام نے بچوں کے ذہنوں پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ وہ سب باپ سے متنفر تھے کیونکہ

شہناز بیگم اور غلام عباس صاحب نے رشتے کی اس ناکامی کا سارا ملبہ انہی پر ڈالا تھا۔ اجالا کے سوا ان کے سبھی بچے شہناز بیگم کی مٹھی میں تھے اور انہوں نے ان کے ذہن خراب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

زندگی کے ایسے کٹھن حالات میں صرف "اسجد" کی ذات تھی جو اجالا کے لیے زندگی کی واحد دلچسپی کا مرکز تھی۔ اس نے پرائیویٹ ایف اے کے بعد ایک فیکٹری میں سلائی کا شعبہ جوائن کرلیا تھا۔ جبکہ غلام محمد صاحب نے بھی اسکول والوں کی طرف سے معذرت کے بعد اپنے گھر میں ہی بیٹھک کو اپنا ذریعہ معاش بنالیا اور وہاں روز مرہ استعمال کی چیزیں رکھ کر سارا سارا دن بیٹھے رہتے۔ اجالا نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اپنے باپ کو بے حد پرہیز گار پایا۔ اکثر راتوں میں اس کی آنکھ کھلتی تو وہ جائے نماز پر بیٹھے سسکیاں بھر رہے ہوتے تھے۔ اس نے کبھی انہیں حالات سے دل برداشتہ نہیں دیکھا تھا یوں لگتا تھا جیسے اللہ رب العزت کی پاک و بے نیاز ذات سے لو لگانے کے بعد دنیا ان کے لیے گھاس کے تنکے سے بھی زیادہ حقیر ہو کر رہ گئی تھی۔

بڑے سے بڑے نقصان پر بھی اس نے کبھی انہیں پریشان نہیں دیکھا تھا۔ اور یہی بات شہناز بیگم و شمشاد بیگم کو چڑاتی تھی۔ حالات ابھی ٹھیک سے سنبھلے بھی نہ تھے کہ ایک روز غلام عباس صاحب کی کپڑے کی دکان میں آگ لگ گئی اور سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا۔ اسجد شہر سے باہر پڑھ رہا تھا اور ہاسٹل میں رہتا تھا پیچھے غلام عباس صاحب اور ان کے ملازم ہی ہوتے تھے۔ تقدیر کی طرف سے اس آفت پر صبر کرنے کا حوصلہ غلام عباس صاحب اور ان کی بیوی میں نہیں تھا' یہی وجہ تھی کہ وہ راہ راست سے بھٹکنے لگے تھے۔

اسجد کا کالج میں آخری سال تھا اور اجالا اسے پریشان نہیں دیکھ سکتی تھی یہی وجہ تھی کہ ان کے گھریلو حالات خراب ہونے کے بعد وہ اس کی مدد کررہی تھی۔ اپنی ہر ضرورت سے نظر چرا کر جتنے پیسے بھی وہ جمع کرتی سب اسجد پر وار دیتی۔ اس کی اولین خواہش تھی کہ اسجد کا ہر خواب پورا ہو' وہ کبھی کسی مشکل کا سامنا نہ کرے" آخر اسجد بھی تو بچپن سے اس کا بہت خیال رکھتا آیا تھا۔

اگر اجالا کی آنکھوں میں اس کے خواب تھے تو اس کی بھی جان تھی اجالا میں۔ کوئی بھی خوشی یا غم ہوتا اجالا سے جب تک شیئر نہ کرلیتا اسے قرار نہیں ملتا تھا۔ گھر سے دور رہ کر بھی اسے ہر بات کی خبر تھی۔

عباد جو اجالا سے چھوٹا اس کی امیدوں کا واحد مرکز تھا' میٹرک کے بعد پڑھائی چھوڑ بیٹھا تھا۔ گھر کے ماحول میں ٹینشن کے ساتھ ساتھ عجیب سا بدلاؤ بھی آرہا تھا۔ تایا اور ان کی فیملی کی سرگرمیاں مشکوک ہو گئی تھیں۔ اسجد کا نمبر قسمت سے ہی آن ملتا' حمنہ اور ندا سارا سارا دن تائی کے گھر گھسی رہتیں' عباد بھی اکثر گھر سے غائب رہنے لگا تھا۔ ایسے میں اسجد ایگزیم دے کر گھر لوٹ آیا تو اجالا خود کو مضبوط محسوس کرنے لگی۔ وہ اب ملازمت کرنے کا سوچ رہا تھا۔ اور یہاں اس موڑ پر بھی اجالا کی رہنمائی اس کے ساتھ تھی۔

☼ ☼ ☼

اسجد اس رات معمول سے کہیں زیادہ تاخیر سے گھر لوٹا تھا۔ اجالا جو بے چینی سے اس کا انتظار کررہی تھی فوراً" اس کے کمرے کی طرف لپکی۔

"اسجد۔" وہ شرٹ اتار رہا تھا جب اس کی پکار پر رک گیا۔

"ہوں" واپس پلٹتے ہوئے اس نے بہت سرسری سی نگاہ اس کے سراپے پر ڈالی تھی۔

"وہ مجھے تم سے بات کرنی تھی۔"

"ہاں کہو۔"

"تمہیں پتا ہے آج تایا نے ابا سے بہت عجیب بات کی ہے۔"

"کیا عجیب بات کی ہے؟"

"تمہیں نہیں پتا۔"

"نہیں۔"

"اسجد! تایا چاہتا ہے کہ ابا پیسے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حرمت سے منکر ہو جائیں' وہ چاہتے ہیں کہ ابا ان لوگوں میں شامل ہو جائیں۔ جو اللہ کے سخت عتاب کا شکار ہوں گے۔"

"پھر؟"

"پھر تم انہیں سمجھاؤ۔ انہیں اس کبیرہ گناہ سے روکو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔"

"پہلے کیا ٹھیک ہو رہا ہے اس ملک میں۔ بولو؟ کون ہے جو اپنا ایمان ہاتھ پر لیے نہیں پھر رہا۔ یہ لوگ جو اسلام دشمنوں سے پیسے لے کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بندوں کو ناگہانی اموات کے سمندر میں دھکیل رہے ہیں' یہ ٹھیک ہیں؟"

"ہر شخص کے اپنے اعمال ہیں اسجد! کوئی کسی دوسرے کی قبر میں نہیں جائے گا۔ جب تک یہ زندگی ہے تب تک چپت ہے ادھر آنکھ بند ہوگی ادھر حساب شروع ہو گیا' وہ لوگ ہمارے سگے نہیں ہیں کہ ہم ان کے انجام کی فکر میں گھلتے رہیں مگر تایا! ہمارا اپنا ہے۔"

"اف او کے اجالا! اس وقت میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ ابھی تم جاؤ یہاں سے پلیز۔" اچانک اس کی بات کاٹتے ہوئے اس نے رخ پھیرا تھا۔ وہ شاکڈ سی کھڑی رہ گئی۔

"ہر شخص کی اپنی زندگی ہے' وہ جیسے چاہے گزارے۔ ابا نے بھی فیصلہ کرلیا ہے' لے لیے ہیں انہوں نے پیسے ذرا سے رد و بدل سے بہت کچھ پاکر وہ کسی کی کوئی بات نہیں سنیں گے۔" وہ خود بھی اضطراب کا شکار تھا۔ اجالا کو لگا اس کا دل پھٹ گیا ہو۔

"ذرا سے رد و بدل سے؟ دین دنیا کی بربادی کو ذرا سا رد و بدل کہہ رہے ہو تم؟"

"میرا دماغ خراب مت کرو اجالا۔ ابھی کچھ بھی نہیں بگڑا۔ صرف بات طے ہے ہماری۔ تم چاہو تو اپنا راستہ بدل سکتی ہو۔"

"چپ کرجاؤ اسجد' خدا کا واسطہ ہے تمہیں چپ کر جاؤ۔ کیا سارے آسمان ایک ساتھ گرا دو گے اتنے ظالم تو نہیں تھے تم۔" وہ لٹی تھی اور آنسو ایک لمحے میں اس کا چہرہ بھگو گئے تھے۔

اسجد ہونٹ بھینچے کمرے سے نکل گیا تھا۔ کیا واقعی اب اس کے لیے اس کی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی کیا واقعی اسے اپنے باپ کی گمراہی سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا؟

وہ جتنا سوچ رہی تھی اتنا ہی اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ پوری رات جاگ کر بسر کرنے کے بعد صبح جب وہ فجر کی نماز کے لیے اٹھی تو سر بے حد بھاری ہو رہا تھا۔ تایا کے پورشن کی طرف مکمل خاموشی تھی۔ وہ بے دلی سے وضو کرنے کے بعد مصلے پر کھڑی ہوئی تو رکے ہوئے آنسوؤں کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔ کتنی بے شمار دعائیں تھیں جو اس وقت اس نے روتے ہوئے اپنے اللہ سے کی تھیں۔

☼ ☼ ☼

سنو لوگو میری آنکھیں خریدو گے؟
مجھے اک خواب کا تاوان بھرنا ہے
اک ایسا خواب تھا جو جاگتی آنکھوں سے دیکھا تھا
بہت ہی چاؤ سے اور کتنے ارمانوں سے دیکھا تھا
مگر دیکھے ہوئے اس خواب کی تعبیر الٹی تھی
نہیں شکوہ کسی سے اپنی ہی تقدیر الٹی تھی
جواب تک ہو چکا ہے مجھ کو وہ نقصان بھرنا ہے
اب آنکھیں بیچ کر ہی خواب کا تاوان بھرنا ہے

وہ بیڈ پر اداس بیٹھی تھی جب نانو نے گرم کمبل اس کے گرد لپیٹ دیا۔

"آرام سے بیٹھ جاؤ بیٹی۔ اور پھر بتاؤ کون ہو' کہاں سے آئی ہو۔ مصحف کہاں ملا تم سے۔" وہ بے چین تھیں۔ ایمان نے ایک نظر ان کے پرنور چہرے پر ڈالنے کے بعد سر جھکالیا۔

"وہ میرے آفس میں ملے تھے۔ جس دفتر میں میں کام کرتی تھی وہاں۔ تین اور لڑکے بھی تھے ان کے ساتھ۔ میں بے یار و مددگار تھی' جب انہوں نے میرے بارے میں جان کر مجھے پرپوز کیا اور یہ بتایا کہ اپنی بوڑھی نانو کے ساتھ تنہا رہتے ہیں تو میں انکار نہ

کرسکی۔ مجھے گھر اور تحفظ چاہیے تھا نانو۔ اسی لیے میں نے خوشی خوشی ان سے کورٹ میرج کرلی۔ بعد میں یہ اسی شام جانے کیسے کیسے خواب دکھا کر واپس لوٹ آئے اور میں ان کا انتظار ہی کرتی رہ گئی۔ کل شام یہ دوبارہ آئے اور کہا کہ نانو گھر نہیں ہیں اس لیے آج رات تم میرے ساتھ اپنے گھر رہ سکتی ہو۔ یہ بھی کہا انہوں نے کہ اس بار آپ کو سب بتادیں گے مگر۔۔۔ میرا خیال ہے کہ میرے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ شاید انہوں نے اپنی عزت بچانے کے لیے مجھ سے شادی نہیں کی۔"

"تم دل پر مت لو بیٹی۔ اسے تو عادت ہے جگہ جگہ منہ مار کر اپنی نانو کا نام خوب روشن کرنے کی۔ مگر میں ظلم نہیں کروں گی کسی بے آسرا پر' تم یہیں اسی گھر میں رہو گی۔ میری بہو بن کر دیکھتی ہوں یہ کیسے لفٹ نہیں کرواتا تمہیں۔"

نانو اس کے دام میں آچکی تھیں۔ اس نے بے ساختہ سکھ کا سانس لیا۔

"شکریہ نانو! آپ بہت اچھی ہیں۔ بہت نیک دل' پتا نہیں' آپ یہاں نہ آتیں تو یہ اور ان کے دوست میرے ساتھ جانے کیسا سلوک کرتے۔ کل رات بھی ان کی لڑائی ہوگئی تھی اپنے دوستوں سے۔"

"ہائیں۔ ان لفنگوں کی تو جان ہے ایک دوسرے میں پھر لڑائی کیسے ہوگئی۔" نانو کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا' وہ گڑبڑا گئی۔

"پتا نہیں نانو! شاید یہ آپ سے کچھ چھپانا چاہ رہے تھے۔"

"ارے۔ مجھ سے کچھ نہیں چھپا سکتا یہ۔ ایک سال کا تھا جب اس کی ماں میری گود میں ڈال گئی تھی۔ تب سے اب تک میں ہی سنبھال رہی ہوں۔ تیس سال کا ہوگیا ہے مگر میرے لیے ابھی بچہ ہی ہے۔ ماں اور باپ کا پیار جو نہیں دیکھا اس نے' اس لیے زیادہ سختی نہیں کرتی' ورنہ ایک ایک رگ سے واقف ہوں میں اس کی تو بے فکر رہ۔"

نانو کو جوش آیا تھا پھر فوراً "نرم پڑتے ہوئے بولیں۔

"تم نے بتایا نہیں کس شہر سے تعلق ہے۔ ماں باپ کیا کرتے ہیں؟"

"ماں باپ نہیں ہیں نانو۔ ماں کی موت تو بچپن میں ہی ہوگئی تھی۔ چھ ماہ پہلے بابا بھی تنہا چھوڑ گئے۔ اب تو کوئی رشتہ دار ہے نہ جاننے والا۔ اللہ کی بھری دنیا میں بالکل اکیلی ہوں میں۔"

"اللہ رحم کرے' اکیلی کیوں ہو۔ میں ہوں نا تمہاری نانو۔ تمہاری ماں اور میرا مصحف ہے نا۔ بہت پیارا بچہ ہے۔ تم بہت خوش رہو گی اس کے ساتھ۔"

فوراً "ہی وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولیں اور پھر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اب کچھ آرام کرلو۔ بخار بہت تیز ہو رہا ہے۔ مصحف سے کہتی ہوں ڈاکٹر کو بلا لائے۔ کچھ بنا بھی دیتی ہوں۔ باورچی تو دن چڑھے ہی آئے گا۔"

"جی نانو۔" اسے خود بھی آرام کی اشد ضرورت تھی سو جلتی آنکھوں اور ہزار وسوسوں کے ساتھ بالآخر پلکیں موند گئی۔ نانو ابھی ابھی ہی قدرے متفکر اس کے کمرے سے باہر چلی آئیں۔ تقریباً" آدھے گھنٹے بعد حمزہ شہریار اور شاہ میر وہاں موجود تھے۔

"نانو! وہ قسم سے ایک نمبر کی فراڈ لڑکی ہے۔ رات اسی کی وجہ سے مصحف کو فائر [illegible] لوگوں کو پیچھے لگا کر لے آئی تھی۔ آپ [illegible] سو گئیں۔ بھلا کہاں مصحف کہاں وہ [illegible]"

حمزہ نے [illegible] دبائی دبی تھی جواب میں نانو نے [illegible] دیا۔

"بکواس بند کرو حمزہ۔ تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ تم ایک لاچار مصیبت کی ماری لڑکی پر اتنا بڑا الزام رکھو۔"

"مگر نانو! وہ مصیبت کی ماری نہیں ہے۔ وہ خود بہت بڑی مصیبت ہے۔"

"یہ تمہیں مصحف سے اس کا نکاح کروانے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔"

"نکاح۔ کون سا نکاح؟" شہریار نے بھنویں

اچکائی تھیں۔ اسی پل وہ خود چل کر وہاں آگئی۔

"میں بتاتی ہوں کون سا نکاح' کتنی جلدی بھول گئے آپ کہ آپ میرے بھائی بنے تھے' میرے سر پر ہاتھ رکھ کر آپ نے کہا تھا کہ آپ کا دوست مجھے ہمیشہ خوش رکھے گا اور یہ کہ میں آپ کی زبان کا اعتبار کروں۔ میں نے اعتبار کیا۔ آپ نے کیا کیا میرے ساتھ۔؟ مجھ غریب لاوارث کو پہچاننے سے ہی انکاری ہوگئے؟"

اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے وہ آنکھوں میں آنسو بھر لائی تھی۔

"شٹ اپ۔ یہ [illegible] اور ڈرامہ ہے۔"

"ہاں اب تو آپ یہی کہیں گے۔ بات کھل جو گئی ہے۔"

وہ مکمل بازی جیتنے والی تھی۔ مصحف کا بس نہ چلتا تھا اس کا منہ تھپڑوں سے سرخ کر دیتا۔ نانو کو بالآخر مداخلت کرنی پڑی تھی۔

"چپ ہوجاؤ تم لوگ۔ سچ اور جھوٹ کا فیصلہ وقت کرے گا۔"

"مگر نانو یہ۔"

"بس چپ۔ ایک لفظ بھی مزید نہیں سننا ہے۔ جاؤ بیٹی تم جا کر آرام کرو۔ مجھے ذرا مارکیٹ تک جانا ہے' واپسی پر ڈاکٹر کو کال کروں گی۔"

ایمان ان کی ہدایت پر سر ہلا کر وہاں سے چلی آئی جبکہ مصحف سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کی کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس کے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اس روز پہلی بار وہ خاصی دیر تک گھر سے باہر رہا تھا۔ حمزہ شہریار اور شاہ میر اسے مختلف ٹپس دیتے رہے کہ وہ کیسے لڑکی کے منہ سے سچ اگلوا کر اپنی پوزیشن کلیئر کرسکتا ہے جبکہ ایمان خرابی طبیعت کے باوجود نانو سے دنیا جہان کی باتیں کرتی' ان کا اعتماد جیتنے کی کوشش میں لگی رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"نانو! مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔ یہ لڑکی واقعی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ہمارا نکاح ہوا ہے۔" ایمان رات نانو کے ساتھ انہی کے کمرے میں سوئی تھی اور اس کا آئندہ بھی یہی ارادہ تھا۔ مصحف کا اس سے کسی بھی تعلق سے انکار اس کے لیے فائدہ مند ہی تھا' تاہم اگلی صبح ہی ناشتے کی میز پر اس نے جیسے یہ اعتراف کرتے ہوئے اس کے سر پر بم ہی پھوڑ دیا۔ اس کے ہاتھ سے چائے چھلکی تھی اور کپڑوں پر گر پڑی تھی۔

"مجھے تو پہلے ہی یقین تھا یہ بچی جھوٹ نہیں بول رہی ہے' تم ہو جو جھوٹے ہو۔ مگر میں اس کے لیے تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

"سوری بولا ہے نا نانو! غلطی ہوگئی پلیز معاف کردیں۔"

لجاجت سے کہتا وہ نانو کی ساتھ والی کرسی پر ٹک گیا تھا۔ ایمان شاکڈ سی اسے دیکھتی رہی۔ وہ یہ کیا کہہ رہا تھا۔

"میں اپنی ذمہ داریاں نبھاؤں گا۔ کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ ایمان سے کہیں آج سے میرے کمرے میں سویا کرے۔"

وہ دیکھنا چاہتا تھا اس بات پر لڑکی کے تاثرات کیا ہوتے ہیں اور واقعی اس کا چہرہ فق ہوگیا تھا۔ وہ بہت پریشان نگاہوں سے مصحف کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ابھی نہیں پہلے میں تمہاری شادی کا باقاعدہ اعلان کروں گی۔ دھوم دھام سے اپنی ساری خواہش پوری کروں گی۔ پھر ایمان تمہارے کمرے میں جائے گی۔" اب چہرے کا رنگ اڑنے کی باری مصحف کی تھی۔

"مگر نانو یہ تو زیادتی ہے۔ میں جب اسے اپنی بیوی تسلیم کر رہا ہوں تو دنیا میں ڈھنڈورا پیٹنے کی کیا ضرورت ہے۔ ویسے بھی خالہ ابھی کو پتا چل گیا تو۔"

"تو ہوجائے پتا۔ یہ بات اب چھپنے والی تھوڑی ہے۔ ویسے بھی اس کی بیٹیوں کو کمی نہیں ہے رشتوں کی۔"

"اچھے رشتوں کی کمی تو ہے نا۔ کتنا دکھ ہوگا انہیں جب ان کی آس ٹوٹے گی؟ آپ خود ہی تو کہتی ہیں ہماری آس پر بیٹھی ہیں وہ۔"

http://www.pakfunplace.com

"یہ بات پہلے سوچنی چاہیے تھی تمہیں۔ اب بھول جاؤ سب۔"

"نہیں نانو۔ کم از کم خالہ امی کی بیٹیوں کو نہیں بھول سکتا میں۔" وہ روتے ہوئے بولا ہوا تھا۔ نانو کا پارا چڑھ گیا۔

"تو چاہتا ہے تمہاری بیوی کے سامنے درگت بناؤں تمہاری۔"

"یہی امید ہے مجھے آپ سے۔" دل جلے انداز میں کہتا وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ایمان نے بے ساختہ سکون کی سانس لی۔ مصنف سیدھا اپنے کمرے میں آیا اور حمزہ کا نمبر پریس کر ڈالا۔

"مہلوبنی کچھ بات۔؟" دوسری طرف اس نے پہلی ہی بیل پر کال پک کر کے بنا دعا سلام کیے پوچھا تھا۔

"نہیں بنی نانو کے اصولوں اور خواہشوں نے پانی پھیر کر رکھ دیا۔ کچھ اور بتا۔"

"چل آجا پھر یہاں۔ مل کر کچھ اور پلان کرتے ہیں۔"

وہ عجلت میں تھا۔ مصنف نے کال کاٹ کر گاڑی کی چابی اٹھالی۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح کے طلوع ہوتے سورج سے قبل ہی اسجد گھر سے نکل گیا تھا۔ وہ آفس کے لیے تیار ہو رہی تھی جب تایا اور تائی خاموشی سے پھر ان کے پورشن کی طرف چلے آئے۔ غلام محمد صاحب اس وقت ذکر الٰہی میں مشغول تھے۔ تایا آکر ان کے پاس چارپائی پر بیٹھ گئے۔

"پھر کیا سوچا ہے تو نے غلام محمد؟"

"کس بارے میں؟"

تایا کے سوال پر اس کے ابا یوں اٹھا تھا جیسے وہ کل ہونے والی ہر بات بھلا چکے ہوں۔ تائی نے ان کے جواب پر ناگواری سے پہلو بدلا تھا۔

"دو دن سے کس بات پر رکھا ہے ہیں تیرے ساتھ۔"

"کہا تو ہے مجھے یہ سودا منظور نہیں۔ مرنے کے بعد بھی نہیں۔ کاش میرے بازوؤں میں طاقت ہوتی تو مجھ سے ایسا مطالبہ کرنے والے کا سر تن سے جدا کر دیتا۔"

"دیکھا آپ بھائی کی محبت میں پاگل ہو رہے ہیں اور یہ آپ کا سر تن سے جدا کرنے کی بات کر رہا ہے۔ یہی سننا تھا یا ابھی کچھ اور بھی سننا باقی ہے۔"

تائی ان کے جواب پر بجلی کی طرح چمکی تھیں۔ تایا کا غصہ ان کا چہرہ سرخ کر گیا۔

"تو نے کیا سر تن سے جدا کرنا ہے میرا۔ میں خود ہی دفعان کرتا ہوں تجھے مہربان رو سرد کر مجھے کیا۔ میں تو جا رہا ہوں یہاں سے۔ دیکھوں گا آج کے بعد کون پوچھتا ہے تجھے؟"

پہلی بار اجالا نے تایا کا ایسا غضب ناک روپ دیکھا تھا۔ اس کا دل پہلو میں شدت سے کانپ اٹھا۔ بات سنبھالنے کے لیے وہ جلدی سے آگے بڑھی تھی۔

"تایا میری بات سنیں۔ ابا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ۔"

"بھاڑ میں جائے ہماری طرف سے تیرا ابا اور تو بھی۔"

تائی نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی اور وہ ایک کران کے پورشن تک ان کے پیچھے گئی۔ وہاں کوئی اس کی بات سننے والا نہیں تھا۔ وہ اس گھر کے در و دیوار کے اندر [illegible] وہ بے بسی سے شکستہ قدم گھسیٹتی [illegible]

تایا اور ان کی فیملی اسی روز اپنا گھر چھوڑ گئے تھے۔ انہوں نے نہ صرف پورشن خالی کر دیا تھا بلکہ اسے ایک [illegible] کے ہاتھوں فروخت بھی کر دیا۔ عباد، [illegible] اور سعد چاروں اپنے باپ سے خفا تھے کہ وہ تایا کے ساتھ کیوں نہیں گئے۔ اجالا کو لگتا تھا جیسے اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ شدید نامساعد حالات اور ڈپریشن نے اس کے ایمان کی چولیں ہلا دی تھیں۔ اپنے ماں باپ کے ساتھ اسجد غلام عباس کی وہاں سے رخصتی نے اسے اندر سے گٹ ہی توڑ ڈالا تھا۔ اس

وقت جب وہ اس سے کچھ کے گھر واپسی پر اپنا سامان پیک کر رہا تھا تو وہ اس کے سامنے رو پڑی تھی۔

"اسجد کیا تمہارے لیے بھی دولت، میرے پیار سے بڑھ کر انمول ہے۔"

"نہیں۔" وہ خود بھی ڈسٹرب تھا۔ اجالا تڑپ اٹھی۔

"نہیں تو میرا ساتھ چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو۔ تم جانتے ہو نا مجھے تمہارے بغیر جینے کا سلیقہ نہیں ہے۔ تم جانتے ہو اسجد۔ میرے لیے زندگی کا اگر کوئی معنی ہے تو وہ تم ہو، میں نہیں چل سکتی ایک قدم بھی تمہارے بغیر۔"

"جانتا ہوں۔" وہ اب بھی کمرے کی کھڑکی کے اس پار سڑک پر پھیلے اندھیروں کو دیکھ رہا تھا۔ اجالا نے اس کا بازو تھام لیا۔

"جانتے ہو تو تماشا کیوں بنا رہے ہو میرا۔ کیوں ضبط آزما رہے ہو۔"

"میں مجبور ہوں اجالا۔ اپنے والدین کا مقروض ہوں۔ میری ذات پر پہلا حق ان کا ہے۔"

"اللہ کا نہیں ہے؟ جس نے تمہیں پیدا کیا۔ تم پر بے پناہ احسانات کیے۔"

"کیوں نہیں ہے۔ میں نے کب اقرار نہیں کیا اس کے احسانات کا۔ میں اپنے مذہب کو سستے داموں فروخت نہیں کر رہا ہوں۔ مجھے بھی پتا ہے، یہ چند لاکھ، یہ کروڑ، جنت کی قیمت نہیں ہیں۔"

"پھر؟"

"پھر کچھ نہیں۔ ذرا سے صبر اور حوصلے سے کام لو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ جانے کیا سوچے ہوئے تھا۔ وہ خاموشی سے واپس پلٹ آئی۔

اسجد غلام عباس اسی رات اپنے والدین کے ساتھ وہاں سے چلا گیا تھا۔ تاہم اجالا کی محبت اور دعائیں اس کے لیے کم نہیں ہوئیں۔ اپنی ہر نماز میں ایمان کی سلامتی اور باپ کی صحت مندی کے بعد اس کی تیسری دعا اسجد غلام عباس کے لیے ہی ہوتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اللہ اس کی دعائیں کبھی رد نہیں کرے گا۔ وہ اگر بہت نیک نہیں تھی تو اتنی گناہ گار بھی نہیں تھی کہ اللہ اس کی طرف توجہ ہی نہ کرتا۔

بعض اوقات اسجد کے لیے اس کی دعا، دعا نہیں رہتی ضد بن جاتی تھی، ایک چھوٹی سی ننھی بچی کی ضد جسے ہر قیمت پر اپنی پسندیدہ چیز کو پانا تھا خواہ وہ اس کے لیے مناسب ہوتی یا نہیں۔ پچھلے کچھ روز سے اس کی دعاؤں کی ترتیب بدل گئی تھی۔ اس کا خیال تھا اللہ کے حضور ——— سب سے پہلے کی جانے والی دعا، جلدی قبول ہوتی ہے، لہٰذا اب ایمان کی سلامتی کے ساتھ ہی وہ اللہ سے اسجد کا ساتھ بھی مانگتی تھی۔ بقیہ دعائیں تو جیسے رٹے رٹائے مفہوم کے ساتھ لبوں پر آتیں۔ آج کل فیکٹری میں کام پر اس کی توجہ بھی پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ ایک ایک سوٹ کی سلائی میں دو دو گھنٹے لگ جاتے پھر بھی کام میں صفائی مفقود ہوتی تھی۔ اس روز فیکٹری انچارج نے اسے اپنے آفس بلوایا تھا وہ پریشان سی مشین سے اٹھ آئی۔

"السلام علیکم۔" اپنے انچارج کے کمرے میں داخل ہوتے ہی نظریں جھکا کر سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ آؤ بیٹھو۔"

انچارج سیف اللہ ہاشمی صاحب نے سامنے پڑی فائل سے توجہ ہٹا کر اس کی طرف دیکھا اور فائل بند کر دی۔

"جی۔ آپ نے بلایا سر۔"

"ہوں بلایا ہے۔ اصل میں آج کل آپ کی توجہ کام پر نہیں ہے۔ جتنے سوٹ بھی آپ نے سلائی کیے ہیں۔ سب واپس آ گئے۔ آپ کے علم میں ہے بی بی کہ صرف اور صرف یہاں آپ کے والد صاحب کی عزت کی وجہ سے میں نے آپ کو کام پر رکھا۔ دوسروں کی نسبت زیادہ ریلیف دیا۔ مگر پچھلے پندرہ بیس روز سے آپ نے تو قسم کھالی ہے مجھے شرمندہ کروانے کی۔"

ہمیشہ دھیمے لہجے میں بات کرنے والے سیف اللہ ہاشمی صاحب کا رویہ اس وقت بے حد روڈ تھا۔ اجالا کا سر مزید جھک گیا۔

"معافی چاہتی ہوں سر۔ اصل میں آج کل میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

http://www.pakfunplace.com

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو چھٹی لے کر گھر بیٹھ جائیں۔ کمپنی کو تو خسارے میں نہ ڈالیں۔ میں مالکوں کو کیا جواب دوں گا۔ مارکیٹ میں اس وقت اس کمپنی کا ایک نام ہے۔ اگر آپ جیسے دو چار لوگ اور یہاں رکھ لیے تو بس ہو گیا ہمارا کام تو۔"

"مجھے ایک موقع اور دیں سر! میں پوری کوشش کروں گی کہ دوبارہ آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے۔"

"ٹھیک ہے۔ دوبارہ شکایت ہوئی تو خود کو فارغ سمجھیے گا یہاں سے۔"

حتمی لہجے میں کہتے ہوئے اس شخص نے اس وقت اسے بھرپور ذلت کا احساس دلایا تھا۔ وہ آنسو پیتی وہاں سے چلی آئی۔

غلام محمد صاحب کی بیماری تھی کہ کم ہونے کی بجائے مزید بڑھتی جارہی تھی اور ادھر تایا کے پورشن میں آباد ہونے والے بزنس مین نے وہ سارا حصہ گرا کر وہاں نئی عمارت کی تعمیر شروع کروادی تھی۔ عباد پڑھائی چھوڑ بیٹھا تھا اور اجالا کے گھر سے نکلنے کے بعد ندا اور ہسمہ کی تمام تر دلچسپی کا محور نئے گھر میں آنے والے وہ "ہیرو ٹائپ" لڑکے ہوتے تھے، جنہیں جانے کون سی مصیبت وہاں بزنس مین کے پاس کھینچ لاتی تھی۔

اس کا دماغ جیسے کام کرنا چھوڑ رہا تھا۔ گھر کے اندر سکون رہا تھا نہ گھر کے باہر۔ اب تو نماز میں بھی اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ اوپر سے ابتر حالات نے رہی سہی ہمت و حوصلہ بھی ختم کر چھوڑا۔

اس رات شدید تکلیف کے باوجود اس نے آنکھ کھلنے پر تہجد کی نماز کے بعد غلام محمد صاحب کو رو رو کر بچوں کی طرح گڑگڑاتے ہوئے اللہ کی حضور دعا مانگتے دیکھا تو چپ نہ رہ سکی۔

"بس کریں ابا۔ اللہ کے پاس تجھ جیسے مفلس معذور شخص کی دعائیں سننے کا وقت نہیں ہے۔ وہ انہی کی دعائیں سنتا ہے اور قبول کرتا ہے جو اس کی راہ میں روپیہ لٹاتے ہیں۔ تیرے پاس کیا ہے جو وہ تجھ پر توجہ کرے۔"

"میرا ایمان؟" جواب میں غلام محمد صاحب کے الفاظ نے اسے چپ کروادیا۔

"کفر اور مایوسی دونوں تباہی کا نام ہیں اجالا۔ شدید غم اور مصیبت میں بھی انسان کو اپنی اوقات اور اپنے رب کا مقام نہیں بھولنا چاہیے۔ کیونکہ اس در کے سوا دوسرا کوئی در نہیں جو کچھ دے سکے۔ ایک وہی ذات تو ہے بیٹا۔ جو بندے کو اس کے ظاہر سے نہیں، باطن سے پرکھتی ہے، وہ پاک و بے نیاز ہے۔ اسے فرق نہیں پڑتا کہ کون سوٹڈ بوٹڈ ہے اور کون کیچڑ میں لپٹا ہے وہاں۔ اس کے حضور تو صرف عاجزی چلتی ہے۔"

دعا مکمل کرنے کے بعد نرم لفظوں میں اسے ڈپٹتے ہوئے انہوں نے اصلاح کی تھی۔ اجالا دکھی دل کے ساتھ بنا مزید کچھ کہے چپ چاپ سو گئی۔

☼ ☼ ☼

"لائیں۔ پٹی بدل دوں آپ کی۔" نانو، مصحف کے ساتھ، ابھی مارکیٹ سے ایمان کے لیے ڈھیر ساری شاپنگ کرکے لوٹی تھیں۔ جب وہ انہی کے سامنے جلتی پر مزید تیل کا کام کرتے ہوئے مصحف کے قریب آکھڑی ہوئی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے، اپنے کام سے کام رکھو۔"

وہ جلا بیٹھا تھا۔ برسوں کے بعد ایمان کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"ضرورت کیوں نہیں ہے۔ آپ کی خدمت اور راحت تو میرا فرض ہے۔"

"ٹھیک ہے تو پھر نانو سے کہو، آج سے تمہیں میرے کمرے میں سونے کی اجازت دیں۔" وہ کہاں مات کھانے والا تھا۔ ایمان کی مسکراہٹ ایک پل میں معدوم ہو گئی۔

"نانو۔ چائے لاؤں آپ کے لیے۔"

"لے آؤ بیٹی۔ اگر چاہت سے بنائی ہے تو میرا تو تھکن سے برا حال ہے۔" وہ ساری چیزیں بکھیر کر بیٹھی تھیں۔ مصحف فوری اٹھ کھڑا ہوا۔

"سوچ سمجھ کر بھیجیے گا۔ چائے پی کر اگلے جہاں پہنچ گئیں تو مجھے دوش مت دیجیے گا۔"

"لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ کبھی تو کوئی اچھی بات منہ سے نکال لیا کرو۔"

نانو نے ڈرنے کی بجائے اسے ڈپٹا تھا۔ وہ منہ بنا کر کمرے میں چلا آیا۔

"عجیب مصیبت گلے پڑ گئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا اس مکار لڑکی کا کروں کیا؟" اسے غصہ آرہا تھا۔ اسی پل شہریار کی کال آگئی۔

"صفی یار۔ جلدی سے حمزہ کی طرف آجا۔ ہم لوگ سینما جارہے ہیں یار۔"

"میرا موڈ نہیں ہے یار۔"

"موڈ [illegible] گئی۔ تو آتو سہی۔ آج بڑے مزے کا پروگرام طے کیا ہے ہم نے۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہاں آنے پر سمجھائیں گے۔ بس سمجھ لے آج چاروں کے مزے ہونے والے ہیں۔"

"پورے خبیث ہو تم لوگ۔" وہ مسکرایا تھا۔ شہریار نے قہقہہ لگا کر کال کٹ دی تھی۔ نانو چائے پی رہی تھیں جب وہ دوبارہ لاؤنج میں چلا آیا۔

"نانو۔ میں ذرا شہریار کی طرف جارہا ہوں، بہت ضروری کام ہے۔ لیٹ ہو جاؤں گا۔ کوئی مسئلہ ہو جائے تو آپ فوری مجھ سے رابطہ کرسکتی ہیں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے کہیں جانے کی۔ آفس تو جا نہیں سکتے، اور کون سے ضروری کام آن پڑے ہیں تمہاری جان پر۔"

"آکر بتاؤں گا، ابھی لیٹ ہو رہا ہوں۔ آپ اپنا خیال رکھیے گا پلیز۔" نانو کے غصے کی مطلق پروا نہ کرتے ہوئے وہ رخصت ہو گیا تھا۔ ایمان اس کے جانے کے بعد نانو کے پہلو میں ٹک گئی۔

"مصحف کی باتوں کا برا نہ ماننا بیٹی، یہ ایسا ہی ہے لاابالی سا۔ تمہیں بنا دیکھے بھالے نکاح نہیں کرنا چاہیے تھا۔ خیر۔ اللہ خوش رکھے، اب یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" وہ ان کی تسلی کے جواب میں خاموش ہی بیٹھی رہی، کہتی بھی تو کیا، کچھ کہنے کے لیے تھا ہی نہیں۔

"آہستہ آہستہ تم یہاں کی ہر چیز سے آشنا ہو جاؤ گی، پھر زیادہ مسئلہ نہیں رہے گا۔"

"میں اب بھی بہت خوش ہوں نانو۔" [illegible] اسے لب کھولنے پڑے تھے۔

"اللہ اور خوش رکھے، یہ سب چیزیں سنبھال لو، میں اب ذرا آرام کروں گی۔" اسے دعا سے نوازتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ ایمان خالی نگاہوں سے صوفے پر پڑی چیزوں کو دیکھتی جانے کتنی دیر وہیں بیٹھی رہی۔

"اگر اس روز مصحف گیٹ نہ کھولتا تو کیا ہوتا؟ اگر اسے گیٹ کھولنے میں مزید تاخیر ہو جاتی تو کیا ہوتا؟"

یہ تصور ہی ایسا تھا کہ وہ جی جان سے کانپ کر رہ جاتی تھی۔ بے شک اس کے رب نے اس کی عزت کی حفاظت کی تھی۔ صرف ایک انسان کے لیے اس نے پاگل پن کی ہر حد کو عبور کرتے ہوئے اپنے مہربان خدا کی خدائی سے منہ موڑ لیا تھا۔ مگر اس کے باوجود اس نے اسے بے آسرا نہیں چھوڑا تھا۔ آنسو تھے کہ تنہائی پاتے ہی امڈے چلے آرہے تھے۔ وہ وہیں بیٹھی جیسے پھر سے پتھر ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ابا! اجالا کل سے فیکٹری نہیں جائے گی۔" وہ اس وقت غلام محمد صاحب کے زخموں کو اچھی طرح صاف کرنے کے بعد اب ان پر دوا لگا رہی تھی جب عباد کمرے میں داخل ہو کر بگڑے تیوروں کے ساتھ بولا۔ اجالا کے ہاتھ میں موجود پانی کا برتن ذرا سا لرزا تھا۔

"کیوں؟" پلٹ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا تھا جب وہ بولا۔

"اپنے آپ سے پوچھ یہ سوال۔ جسے عیاشی کرتے حیا نہیں آئی۔"

"کیسی عیاشی؟" کوئی پہاڑ تھا جو اس لمحے اس پر گرا تھا۔

"تجھے پتا ہے کس عیاشی کی بات کر رہا ہوں میں،"

http://www.pakfunplace.com

کس کے ساتھ آئی تھی کل فیکٹری سے گھر؟" وہ اس سے چھوٹا تھا مگر اس کا لہجہ انتہائی گستاخانہ تھا۔ اجالا کو لگا جیسے کسی نے اس کے چہرے پر تیزاب پھینک دیا ہو۔ وہ اسے انتہائی حیران نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"میری دوست کا بھائی تھا۔ تم میں اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے میرے لیے' کل میلاد تھا اس کے گھر' اسی لیے زبردستی لے گئی ساتھ "اللہ کے ذکر کا معاملہ تھا کیا انکار کر دیتی میں اسے بولو؟" وہ چلائی تھی۔

"روز دفتر سے پیدل گھر آتی ہوں' تمہیں کبھی لانے کی توفیق ہوئی؟ اس کا گھر بھی دس میل دور نہ ہوتا تو اکیلی پیدل ہی آتی' سمجھے تم؟"

"بس کرو' یہ جھوٹے بہانے۔"

"جھوٹے پر اللہ کی لعنت۔ اور تم ہوتے کون ہو جن سے میں اپنے ایمان اور کردار کی صفائیاں دیتی پھروں' اتنے ہی غیرت مند ہو تو کماؤ چار پیسے' کیوں سارا سارا دن آوارہ گردی کرتے پھرتے ہو' شرم نہیں آتی تمہیں جب میں تم لوگوں کے لیے سارا سارا دن دھکے کھاتی فیکٹریوں میں خوار ہوتی پھرتی ہوں اور تم یہاں آرام سے بیٹھے مفت کی روٹیاں توڑتے رہتے ہو آئے بڑے غیرت مند کہیں کے۔ روز پیدل دھکے کھاتی ہوں تو غیرت نہیں جاگتی۔ آج کسی نے ذرا سا احساس کر لیا تو خون رگوں میں ابلنے لگا تمہارے۔ جب خود چار پیسے کمانے لگو تب آکر رعب جمانا اس سے پہلے دوبارہ ایسے لہجے میں بات کی تو زبان کھینچ لوں گی تمہاری۔"

وہ گرجی تھی اور جھوٹے الزام پر خوب برسی تھی۔ عباد بنا شرمندہ ہوئے راستے میں پڑی پیڑھی کو ٹھوکر مارتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ غلام محمد صاحب جواب تک خاموش تھے' اجالا کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ وہ بول اٹھی۔

"کچھ مت کہنا ابا۔ اللہ کی پاک ذات نہ چاہے تو پوری دنیا میں کوئی مجھے میرے بد ارادے سے... نہیں رکھ سکتا' آپ تو جانتے ہیں' عورت ... تو سیمنٹ پتھر سے بنی دیواریں بھی ... نہیں روک سکتیں۔ باپ بھائیوں کی تو ... ہی کیا ہے۔"

وہ تلخ ہو رہی تھی' غلام محمد صاحب نے اپنا شفقت بھرا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔

گھر کا ماحول آج کل اس کی سمجھ سے باہر ہو رہا تھا۔ عباد کے ساتھ ساتھ باقی چاروں بہن بھائیوں کا رویہ بھی اس سے بدل گیا تھا۔ وہ سب "آزادی" کے متوالے تھے۔ مگر اجالا ہر ممکن حد تک ان پر رعب جمائے ہوئے تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ نفس کا بے لگام گھوڑا ایک بار قابو سے باہر ہو جائے تو بڑے بڑے ایمان والے قلابازیاں کھانے لگتے ہیں' پھر وہ چاروں تو ماں کی اچھی ابتدائی تربیت سے محروم "آزاد ماحول" میں' خالہ کی پوری پوری حوصلہ افزائی کے ساتھ پروان چڑھے تھے۔ وہ کیسے قابو آتے۔ نتیجتاً اجالا کے ساتھ ان کی بول چال نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔

وہ فیکٹری سے تھکی ہاری گھر آتی تو دونوں چھوٹی بہنیں سر جوڑے بیٹھی کھسر پھسر کرتی دکھائی دیتیں' جبکہ غلام محمد صاحب بیٹھک میں کرسی پر بیٹھے گاہکوں کے انتظار میں اکڑ جاتے۔ وہ جانتی تھی باپ بستر سے اٹھنے لائق نہیں ہے اور دونوں بھائیوں کو اپنی آوارگی سے فرصت نہیں تھی۔ کبھی کبھی اسے اپنے باپ کے ان الفاظ پر رونا آجاتا جو انہوں نے بڑے فخر سے اپنے بچوں کے متعلق اپنے بڑے بھائی سے کہے تھے۔

حق حلال کے رزق سے پلے ... تو وہ "ہدایت" کھو رہے تھے اور ادھر اجالا کے لیے منہ چڑھے دریا کے پاس رہنا محال ہو رہا تھا۔ ساتھ والے گھر میں ڈیرہ ڈالے ... جن کی سرگرمیاں الگ سے پریشان کیے ہوئے تھیں۔ ایسے میں امجد کا ساتھ ... پریشانی سی پریشانی تھی۔

عباد ... رات گھر نہیں آیا تھا۔ شاید اس نے کمائی کے طعنے کو زیادہ ہی محسوس کر لیا تھا۔ اجالا اب پچھتاوے کا شکار ہو رہی تھی۔ اسے اتنا مشتعل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ غلام محمد صاحب کو دوا دے کر سلانے کے بعد وہ پوری رات اس کے انتظار میں جاگتی رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ عباد کو اب کبھی لوٹ کر اس گھر میں آنا ہی نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

درخت جاں پہ عذاب رت تھی
نہ برگ جاگے' نہ پھول آئے
بہار وادی سے جتنے پنچھی
اِدھر کو آئے ملول آئے
وہ ساری خوشیاں جو اس نے چاہیں
اٹھا کے جھولی میں اپنی رکھ لیں
ہمارے حصے میں عذر آئے جواز آئے
اصول آئے

"یار یہ بھی سیدھی ... نکلنے والا نہیں ہے۔" ... سے ... کے بعد وہ چاروں ہوٹل میں بیٹھے ... جب ایمان کے ذکر پر شہریار نے اپنی رائے ... کیا۔

"مجھے تو انتہائی ہوشیار اور کسی خطرناک گروپ سے تعلق رکھنے والی لڑکی لگتی ہے۔ تمہیں یوں گھر اور نانو کو اس کے سپرد چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"تم ہی نے مجبور کیا تھا مجھے۔ اب سوچو اس بلا کا کیا کرنا ہے۔"

"میرے دماغ میں ایک آئیڈیا ہے' اگر تم لوگ قبول کرو تو۔" حمزہ اچانک بولا تھا۔

"کہو۔" باقی تینوں کی توجہ اس کی جانب مبذول ہو گئی۔

"یار اس سے پہلے کہ یہ لڑکی تمہیں کسی بڑے نقصان سے دوچار کرے' تمہیں اس سے پیچھا چھڑا لینا چاہیے۔ اب میں بتاتا ہوں کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ دیکھو کل سنڈے ہے' تم بہانے سے نانو کو لے کر گھر سے نکل جانا' پیچھے وہ اکیلی ہو گی تو میں' شہریار اور شاہ میر وہاں چلے جائیں گے۔ میرا خیال ہے اس کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہے گی کہ وہاں ٹھہر سکے' تمہارا نام بھی نہیں آئے گا اور مصیبت سے جان بھی چھوٹ جائے گی۔"

"ہوں۔ آئیڈیا تو بہت زبردست ہے۔" شہریار نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ شاہ میر البتہ خاموش تھا۔

"میرا خیال ہے وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔"

"بھاڑ میں جھونکو ایسے خیال کو' کوئی بھی شریف ... کی لڑکی یوں دھڑلے سے کسی اجنبی کے گھر میں نہیں رہ سکتی' جبکہ اس گھر میں ایک عدد جوان مرد بھی موجود ہو' وہ جس حالت میں ہم تک پہنچی اس کے بعد تو اس کی پارسائی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" بالآخر اسے حمزہ کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا تھا۔ شاہ میر البتہ کل کے لیے ایکسکیوز کرتا مصروفیت کا بہانہ بنا کر وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

مصحف رات گئے گھر آیا تو وہ کچن میں مصروف تھی۔ شاید کچن سمیٹ رہی تھی' وہ کمرے میں جانے کی بجائے وہیں چلا آیا۔

"ہیلو۔" ایمان نے قدموں کی آہٹ پر اس کی ہیلو سے پہلے ہی پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔ خانساماں کی چھٹی ہو گئی تھی اور ایمان نے پچھلے پانچ روز میں صرف نانو کے دل پر ہی نہیں پورے گھر پر بھی قبضہ جما لیا تھا۔

"السلام علیکم۔" سرد سپاٹ نگاہوں سے اسے دیکھتی وہ کتنی پر اعتماد دکھائی دے رہی تھی' مصحف مسکرا دیا۔

"وعلیکم السلام۔ کچھ ہاتھ لگا کہ نہیں اب تک؟" دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر وہ چوکھٹ سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ایمان اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"آپ کے اس شاندار محل میں کوئی چیز اتنی قیمتی ہے ہی نہیں کہ جس کے لیے میں اپنے ایمان کا سودا کروں۔" سمجھ میں نہ آنے والا جواب سننے کو ملا تھا۔

"ہوں۔ اس کا مطلب ہے کسی بہت بڑی چیز پر ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ ہے آپ کا؟"

"جی ہاں۔" وہ اب بھی لب بھینچے اسے دیکھ رہی تھی۔ مصحف اس قدر صاف گوئی پر حیران رہ گیا۔

"پھر تو ذلیل ہو کر ہی نکلنا پڑے گا یہاں سے' کیونکہ اس گھر کی ساری قیمتی چیزیں میں نے لاکر میں رکھوا دی ہیں۔"

"اچھا کیا' عزت اور ذلت تو صرف میرے رب کے

ہاتھ میں ہے' وہ جسے چاہے سمیٹ لے اور جسے چاہے بکھیر کر رکھ دے۔" یاسیت سے کہتی وہ سر جھکا کر آنسو چھپا گئی تھی۔

"ماننا پڑے گا محترمہ کہ آپ بہت بڑی فنکارہ ہیں۔" پہلی بار وہ اسے فرصت سے دیکھ رہا تھا۔ ایمان کلم سے ہاتھ روک کر عجیب پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر پھیلاتے ہوئے بچن سے نکل آئی۔

"آپ کی ممنون ہوں کہ آپ کی مدد نے اللہ رب العزت کے کرم کے بعد مجھے بے مول ہونے سے بچالیا۔"

"ہونہہ۔۔۔ اتنی پارسا ہو تمیں تو اپنے گھر بیٹھی ہوتیں' یہاں زبردستی گھس کر میری مجبوری سے فائدہ نہ اٹھاتیں۔" وہ اس کی خود اعتمادی پر جل اٹھا۔ ایمان کے قدم نانو کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے رک گئے۔ وہ پلٹی تھی اور آنسوؤں سے بھری نگاہیں اس کی آنکھوں میں ڈالتے ہوئے عین اس کے مقابل آرکی تھی۔

"جن کے گھر نہ ہوں' کوئی رشتہ باقی نہ ہو' تقدیر' زمانہ' حالات' کچھ بھی مہربان نہ ہو' تو کیا وہ پارسا نہیں ہوسکتے؟"

"تم کہنا چاہتی ہو کہ تم لاوارث ہو؟"

"ہاں۔۔۔" مصحف کے طنز پر بڑی بے بسی سے سر جھکایا تھا اس نے' وہ ہنس دیا۔

"بہت خوب' اگر تم سمجھتی ہو کہ میں تمہاری اس جھوٹی کہانی میں آجاؤں گا تو یہ تمہاری بہت بڑی بے وقوفی ہے۔"

"ٹھیک ہے' شب بخیر۔" وہ بحث کے موڈ میں نہیں تھی۔ مصحف نے زور سے دیوار پہ مکا رسید کرکے اپنے اندر کا غصہ نکالا۔

☆ ☆ ☆

اگلے روز سنڈے تھا اور وہ کل رات کی تھکن کے باعث خاصی تاخیر سے بے دار ہوا تھا۔ شاور لینے کے بعد فریش ہوکر نیچے آیا تو ایمان ناشتے کے بعد نانو کے بالوں میں تیل لگاتے ہوئے مساج کررہی تھیں' ساتھ ہی کسی دینی مسئلے پر گفتگو بھی جاری تھی۔

"السلام علیکم۔" کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے اس نے انہیں اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" نانو کی بجائے جواب اس کی طرف سے آیا تھا۔ وہیں صوفے پر ٹک گیا۔

"نانو! جلدی سے تیار ہوجائیں۔ اقصیٰ آنٹی کے گھر جانا ہے۔ کل سے فون پر فون آرہے ہیں ان کے۔"

"آنے دو۔ مجھ میں اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہے۔"

"اوکم آن نانو اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ میں آپ کے ساتھ جارہا ہوں میں خود ساری بات سنبھال لوں گا۔"

"اور پیچھے ایمان کے پاس کون رہے گا؟"

"اللہ ہے نا۔" برجستگی میں اس نے کہا تھا پھر فوراً سنبھلتے ہوئے بولا۔

"ہم جلدی آجائیں گے۔۔۔ ساتھ والی آنٹی بھی دو چکر تو ضروری لگائیں گی۔"

"چلو ٹھیک ہے' مگر یہ مرحلہ بھی مرا ہی لینے ہیں۔" نانو کا اپنا ارادہ بھی تھا اقصیٰ کی طرف جانے کا۔ لہٰذا وہ تیار ہوہی گئیں۔ مصحف نے روانہ ہوتے وقت حمزہ کو کال کرکے پیچھے میدان خالی ہونے کا عندیہ دے دیا تھا۔

ایمان جو ان کے رخصت ہونے کے بعد' وضو کرکے قرآن پاک لے کر بیٹھ گئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد بیل کی آواز سن کر ناچار اٹھ گئی۔ سنڈے کو گھر کے تمام ملازمین چھٹی کرتے تھے' لہٰذا گیٹ کھولنے کے لیے اسے ہی آنا پڑا۔

"کون ہے؟" اس روز کے بعد پہلی بار وہ گیٹ کے قریب آئی تھی لہٰذا اطمینان ضروری تھا۔

"حمزہ' مصحف نے بھیجا ہے اس کا موبائل یہیں کمرے میں رہ گیا ہے۔"

جواب میں حمزہ کی آواز اور کی ہول سے اس کا چہرہ

دیکھنے کے بعد اس نے گیٹ کھولا تھا۔

"نہیں۔ یہیں لادیتی ہوں آپ کو۔۔۔ وہ اس وقت گھر پر کوئی نہیں ہے۔"

"آپ تو ہیں۔" حمزہ کی مسکراہٹ اس کا دل دھڑکا گئی تھی۔ وہ ابھی کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ شہریار اسے سائیڈ پر ہٹا کر گھر کے اندر گھس آیا اور گیٹ لاک کردیا۔

"ہم نے سوچا' اگر بنا نکاح کے آپ مصحف پر مہربان ہوسکتی ہیں تو ہم کیا برے ہیں۔" کہنے کو وہ اس کے اسلامی بھائی تھے مگر ان کے چہروں پر رقصاں شیطانی مسکراہٹ بھیڑیوں سی تھی وہ ان کے الفاظ پر شش و پنج ہی رہ گئی تھی۔

"یہ کیا بکواس ہے۔"

"مصحف کے کمرے میں چلو' پھر بتاتے ہیں۔" حمزہ نے مسکراتے ہوئے اس کا بازو پکڑا تھا۔ جواب میں وہ چلا اٹھی۔

"ڈونٹ ٹچ می۔ اللہ کا قہر نازل ہوگا تم پر' اگر تم برے ارادے سے میری طرف بڑھے تو۔"

"اچھا۔۔۔ کیا ہوگا ذرا ہم بھی تو دیکھیں۔"

وہ بے علم بھی تھے' بے ہدایت بھی' ایمان روپڑی۔ اس کی مشکلات اور آزمائشوں کا وقت ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

عباد گھر سے چلا گیا تھا اور ادھر اجلا کے پچھتاوے تھے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ غلام عباس صاحب نے ایمان کے بدلے دنیا کی آسائشات حاصل کرلی تھیں۔ ایک شاندار گھر' گاڑی' بچوں کے لیے بہترین کالجوں میں تعلیم' سب کچھ ہی تو پالیا تھا انہوں نے۔ امجد کا خواب باہر جانے کا تھا۔ یہ خواب بھی اب پورا ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔

وہ خوش تھے۔ زمین پر اکڑ کر چلنے لگے تھے۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ناموس کے بدلے' دس لاکھ روپے کی خطیر رقم نے رہا سہا پچھتاوا اور الجھن بھی ختم کرڈالی تھی۔ واقعی مذہب کیا دے رہا تھا انہیں' صرف سکون۔ اور بس۔؟

جیسے حالات سے وہ گزر رہے تھے ان حالات میں صرف "سکون" سے گزارہ ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا حالات بدلے تو تایا اور تائی کے خیالات بھی بدل گئے۔ اب امجد کے لیے اجلا کا ساتھ انہیں کسی صورت منظور نہیں رہا تھا۔ ویسے بھی وہ باہر جارہا تھا۔ بنی الگ اعلا کالج کی "زینت" بن گئی تھی' قمیص شلوار دوپٹے کی جگہ اسکرٹ اور جینز نے لے لی تھی۔ چھوٹا ولید جو ابھی بمشکل اٹھارہ سال کا بھی نہیں ہوا تھا۔ بری صحبت کا شکار ہوکر اس راستے کا راہی ہوگیا کہ جس کی منزل سوائے دنیا اور آخرت کی تباہی کے اور کچھ نہیں تھی۔

حق اور ہدایت کے راستے سے گمراہی کے بعد وہ صرف ذلت سمیٹ رہے تھے مگر ان کی آنکھوں پر بندھی گمراہی کی پٹی کے باعث یہ ذلت بھی انہیں کسی نعمت سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ تایا کے روابط بڑھ رہے تھے اور تائی کی مصروفیات۔ اپنی دانست میں وہ پیتل پر سونے کا پانی چڑھا کر ہائی سوسائٹی کا حصہ بن گئے تھے مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ ان سے کیسا عظیم نقصان سرزد ہوگیا تھا۔

ادھر اجلا سے چھوٹی بسمہ اور ندا کے چکر تائی کے گھر بڑھ گئے تھے۔ غلام محمد صاحب تھے کہ بس خاموشی اور صبر سے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ عباد کے بعد انہوں نے کئی بار اپنی دونوں چھوٹی بیٹیوں اور بیٹے کو سمجھانے اور آخرت کے عذاب سے ڈرانے کی کوشش کی تھی مگر۔ دوسری نوجوان نسل کی طرح ان کے لیے بھی یہ سب کتابی باتیں تھیں۔ باپ کے دکھاوے کو وہ کسی وقت کی نماز پڑھ بھی لیتے تو دماغ میں دنیاوی نفع و نقصان کے خیالات ہی گردش کرتے تھے وہاں نہ آخرت کی کوئی پروا تھی نہ اللہ کی ناراضی کا خوف نہ ہی معاشرے میں رسوائی کا کوئی خدشہ۔

ہر شے سے بے خبری و بے نیازی کی اس دنیا میں صرف راج تھا تو دل اور اس کی خواہشوں کا' باقی ہر چیز

http://www.pakunplace.com

ان کے لیے جیسے بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔

تائی آج کل ندا کو امجد کے خواب دکھا رہی تھیں۔ کیونکہ ندا ایک تو اس کی جانشین تھی دوسرا وہ غلام محمد صاحب اور اجالا کو رلانا چاہتی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ امجد باہر جانے کے لالچ میں کبھی بھی ان کے کسی فیصلے سے انحراف نہیں کرے گا اس کے باوجود اس عورت نے ندا کی مدد سے ان دونوں کے لیے بڑا مضبوط جال تیار کر لیا تھا۔

بسمہ کے روابط ساتھ والے گھر میں مقیم چالیس سالہ عیاش بزنس مین سے بڑھ گئے تھے۔ اجالا کی غیر موجودگی میں ندا کو بتا کر وہ سارا سارا دن وہیں گزارتی تھی۔ غلام محمد صاحب کو اجالا خود صبح فیکٹری جانے سے پہلے بیٹھک میں بٹھا کر جاتی۔ اور گھر واپسی کے بعد وہی انھیں وہاں سے اٹھا کر لاتی۔ انھیں علم ہی نہیں تھا کہ ان کی ناک تلے کون سا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔

اس دن امجد کی انگلینڈ کے لیے روانگی تھی اور اجالا کو فیکٹری سے جواب مل گیا تھا۔ اعصاب پہلے ہی قابو میں نہیں تھے کہ دل پر ایک اور بوجھ آ پڑا۔ بسمہ حسب معمول ساتھ والوں کے گھر پہنچی ہوئی تھی جبکہ ندا اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود تائی کے گھر سدھار گئی تھی۔ سعد کی کیا سرگرمیاں تھیں اجالا اس سے باخبر نہیں تھی۔ اس وقت غلام محمد صاحب کی طبیعت بگڑنے پر وہ شدید اشتعال میں ساتھ والے گھر آئی تھی تاکہ بسمہ کو تھپڑ لگاتے ہوئے وہاں سے واپس لا سکے، پچھلی پوری رات کی جاگی ہوئی تھی اسی لیے سر بے حد بوجھل ہو رہا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کیا منظر دیکھنے جا رہی ہے؟

ساتھ والے گھر کے اس شاندار کمرے میں بسمہ بزنس مین سے چپک کر بیٹھی تھی اور وہ اس کے گال سہلاتے ہوئے اس پر اپنا پیار لٹا رہا تھا وہ دہلیز پر ٹھٹک گئی تبھی بزنس مین کی نظر اس پر پڑی۔

"ارے بڑی سالی صاحبہ آئی ہیں۔ خوش آمدید بھئی۔" بسمہ کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔ جبکہ بزنس مین کے چہرے پر فخریہ مسکراہٹ تھی۔ اجالا کو لگا وہ دل بھی نہیں سکے گی۔

"اندر آئیں اجالا صاحبہ رک کیوں گئیں۔" وہ بچھا جا رہا تھا۔ بسمہ موقع سے فائدہ اٹھا کر چپکے سے نکل آئی۔

"کتے بے غیرت انسان۔ تمہاری جرات کیسے ہوئی میری بہن کے ساتھ اس حد تک جانے کی؟" وہ آگ بگولہ ہوتی تھی بس نہ چلتا تھا کہ تھپڑ مار کر اس شخص کا چہرہ سرخ کر دیتی۔ تاہم وہ اس کی گالی پر بھی مسکرایا تھا۔

"بیوی ہے میری۔ ایک ہفتہ پہلے ہی رو رو کر نکاح کیا ہے اس نے میرے ساتھ، یقین نہ آئے تو جا کر پوچھ لیجیے۔"

"اس سے تو پوچھ ہی لوں گی جا کر۔ لیکن پہلے تمہارا بندوبست کروں گی۔ جو تم نے گند بکھیر رکھا ہے یہاں پر۔"

"گند کہاں بکھیر رکھا ہے؟ میں تو دکھی انسانیت کی خدمت کرتا ہوں۔ ٹوٹے دلوں کو ملاتا ہوں۔ نوجوان دلوں کو سرور حاصل کرنے کے لیے ماحول فراہم کرتا ہوں خیر۔ آپ چاہیں تو آپ کے لیے بھی۔"

"تڑاخ۔" اس سے پہلے کہ وہ اس کے ساتھ کوئی گستاخی کرتا اجالا کا ہاتھ اس پر اٹھ گیا۔ ادھر امجد ندا کو چھوڑنے آیا تو بسمہ نے ندا کو ساری بات بتادی اور وہ اسے تسلی دیتی۔ امجد کا بازو تھام کر اسے برابر والے گھر میں لے آئی۔

اجالا کے لیے جو مقام اس نے اور تائی نے امجد کے دل میں بنانے کی کوشش کی تھی اس پر مہر لگانے کا موقع وقت سے پہلے ہی مل گیا تھا۔ امجد کے دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔ وہ ساری دنیا کے جھکنے کا یقین کر سکتا تھا مگر اجالا کا نہیں۔ اور یقین اس وقت اس کا یقین ٹوٹا تھا۔

تھپڑ کھا کر انگارہ بننے والے بزنس مین کی گرفت میں پھڑپھڑاتی اجالا اسے حقیقی معنوں میں بے موت مار گئی تھی۔ نہ کوئی سوال ہوا تھا نہ کوئی وضاحت۔

چند لمحوں پہلے جس دہلیز پر وہ ٹھٹکی تھی اب اسی دہلیز

پر امجد پتھر بنا کھڑا تھا۔ وہ امجد جو اس کی دنیا تھا' اس کا ایمان یقین تھا۔ اگلے چند لمحے جیسے طوفان کی نذر ہوئے تھے۔ امجد کی وہاں آمد کے بعد بزنس مین نے اجالا کی کلائی چھوڑ دی تھی مگر تب تک وہ پلٹ گیا تھا۔ ٹوٹا مان ٹوٹی خواہشوں کی کرچیوں کے ساتھ۔

وہ دن شاید اپنے آغاز سے اختتام تک اس پر دکھ ہی دکھ سمیٹ کر لایا تھا۔ ایسے دکھ کہ جن کا سایہ شاید آنے والے اگلے کئی برسوں تک اس کی ہستی پر چھایا رہتا تھا۔ کتنی کوشش کی تھی اس روز اس نے خود کو بے گناہ ثابت کرنے کی' مگر اس کی کوئی کوشش بار آور ثابت نہیں ہو سکی' اس کے خوابوں کے ساتھ ساتھ' ندا اور بسمہ کے خواب بھی ادھورے رہ گئے تھے کیونکہ امجد نے اس روز کے بعد کسی کا سامنا نہیں کیا تھا۔ وہ چپ چاپ خاموشی سے سمندر پار سدھار گیا تھا۔ اجالا کے لیے اس کے بعد جیسے زندگی کا ہر منظر ہی پھیکا پڑ گیا۔

بسمہ نے اپنا راستہ خود چن لیا اور ندا کی شادی تائی نے زبردستی ولید سے کروادی تھی جو اس سے پورے تین سال چھوٹا تھا۔ شادی کے بعد اس کی عیاشیوں میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ صرف سعد تھا جسے چپ لگ گئی تھی اور اس نے درس میں جانا شروع کر دیا تھا۔

عباد' ندا اور بسمہ کے بعد غلام محمد صاحب ہر وقت روتے ہی رہتے تھے۔ ان کا ٹوٹا ہوا پیار آرام پا رہا تھا' بنا کسی علاج' کسی دوا کے وہ صحت یاب ہو گئے تھے مگر دل کے اندر جو زخم لگ گئے تھے اب وہ رس رہے تھے۔ گو اللہ نے ان کے بچوں کے ایمان کی حفاظت کی تھی وہ بھٹک گئے تھے مگر دنیا و آخرت کی نجات ان پر حرام نہیں ہوئی تھی' وہ اللہ کی قائم کردہ حدود کے دائرے سے باہر نہیں نکلے تھے' اس کے باوجود غلام محمد صاحب کی شرمندگی تھی کہ اپنے مالک کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہوئے کم نہیں ہوتی تھی۔

اجالا خالی خالی نگاہوں سے انہیں دیکھتی اور رو پڑتی۔ اس کا اپنا ہی دکھ تھا۔ فیکٹری سے جواب کے بعد اسے ایک سیٹھ کے گھر باورچی کی جاب مل گئی تھی۔

بھرا پرا گھرانہ تھا اور لوگ قدر دان تھے لہٰذا خود کو بہلانے کے لیے یہ مصروفیت اس کی ضرورت بن گئی تھی۔

چار سال اس نے اللہ سے دور سکون کی تلاش میں گزار دیے تھے۔ مگر سکون تھا کہ ہاتھ نہ آ رہا تھا۔ چار سال بعد بھی اسے نہ عباد کا پتا چلا تھا نہ امجد کا۔ تایا کے دیگر گھرانے سے اس کا رابطہ بھی نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ سعد کی شادی ہو گئی اور اس نے مقامی مسجد میں اپنے دادا عبداللہ صاحب کے منصب پر امامت شروع کر دی' اجالا کا زیادہ وقت غلام محمد صاحب کے ساتھ ہی بسر ہونے لگا تھا۔ انہی دنوں عباد کا سراغ لگ گیا۔ وہ سعودیہ میں تھا اور بہت اچھی زندگی گزار رہا تھا۔ پاکستان میں اپنے گھر کے تمام حالات سے بے خبر اس نے بڑی چاہ سے اپنے باپ کو اپنے پاس بلایا تھا اور انہیں عمرے کے ساتھ ساتھ حج بھی کروانے کے عزم کا اظہار کیا تھا۔

غلام محمد صاحب کے ساتھ ساتھ اجالا بھی بے حد خوش تھی کیونکہ اس نے اجالا کے لیے بہت اچھے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے اپنی تمام تر کامیابیوں کا سرا اس کے سر باندھا تھا وہی تھی جس نے اسے کچھ کرنے پر اکسایا تھا ورنہ پاکستان میں رہتے ہوئے وہ جن سرگرمیوں میں پڑا تھا۔ وہ سرگرمیاں اسے تباہ و برباد کروا دیتیں۔

بیٹے کی خواہش پر اپنے مالک کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہوئے غلام محمد صاحب سعودیہ روانہ ہو گئے تھے' ان کے ویزے اور ٹکٹ کے لیے تمام پیسے عباد پہلے ہی بھجوا چکا تھا' یہ اس سے اگلے ہی روز کی بات تھی کہ اجالا کے ساتھ وہ حادثہ پیش آ گیا۔ وہ بھیانک حادثہ کہ جس نے اس کے لیے زندگی کے معنی ہی بدل کر رکھ دیے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ نانو کے ساتھ گھر سے نکل تو آیا تھا مگر اب اس کا ضمیر اسے بے چین کر رہا تھا' یہ محبت تھی نہ کسی

http://www.pakistanplace.com

قسم کا کوئی احساس۔ بس ایک عجیب سے بے چینی تھی کہ شاید اسے اس لڑکی کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ جو بھی تھی جیسی بھی تھی' یا اس کے جو بھی عزائم تھے۔ اسے پناہ دے کر پھر خود ہی اس کی عزت پر حملے کے لیے اپنے دوستوں کو اجازت نہیں دینی چاہیے تھی۔

نانو اقصیٰ آنٹی سے باتوں میں مصروف تھیں اور اس کے ذہن میں مختلف تصورات آرہے تھے۔ تقریباً" آدھ گھنٹے بعد اس سے رہا نہ گیا تو بے قرار سا اٹھ کھڑا ہوا۔

"او کے نانو میں چلتا ہوں۔ بازار میں کچھ کام ہے۔ آپ کو جب جانا ہو کال کر کے بلوا بھیجیے گا میں آجاؤں گا۔"

"ارے۔ بیٹھو نا بیٹا۔ میں کھانا لگوا رہی ہوں۔" اقصیٰ آنٹی فوری اٹھی تھیں۔ وہ ایکسکیوز کر گیا۔

"نہیں آنٹی۔ پھر سہی۔ ابھی بہت ضروری کام ہے۔"

کہتے ہی اس نے پاکٹ سے سیل نکال کر حمزہ کا نمبر ملایا مگر وہ رسپانڈ نہیں دے رہا تھا۔ تبھی اس نے گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے شہریار کو کال ملائی۔ مگر دوسری طرف بیل جاتی رہی کسی نے کال ریسیو نہیں کی۔ اس کا اضطراب اور پریشانی مزید بڑھی تھی۔

دوسری جانب شہریار نے ایمان کا ڈوپٹہ کھینچ لیا تھا۔

"اتنی پارسا نہیں ہو تم' جتنا خود کو شو کر رہی ہو۔" وہ طنز کر رہا تھا۔

ایمان کی نگاہیں اوپر چھت کی طرف اٹھیں اور وہ رو پڑی۔ ایک مرتبہ پھر اس کا کردار داؤ پر لگ رہا تھا۔ ایک مرتبہ پھر اسے عام سی گناہ گار لڑکی ہوتے ہوئے اپنی پارسائی کے لیے اپنے رب کو پکارنا پڑا تھا۔ اس رب کو کہ جس کے حقوق صرف ایک بد بودار دنیا سے بنے عام سے انسان کی محبت اور چاہ میں پاگل ہو کر وہ کب سے پس پشت ڈال چکی تھی۔

وہ بھاگی تھی اور حمزہ کے پاؤں الجھنے کے باعث الجھ کر اوندھے منہ زمین پر آپڑی تھی۔

"بہت ہو گیا ڈرامہ۔ اب دیکھتے ہیں کیسے نہیں نکلتیں تم یہاں سے۔" غرا کر کہتے ہوئے حمزہ نے اس کے بال کھینچ لیے تھے جبکہ شہریار کا مضبوط ہاتھ اس کے منہ پر جما تھا۔ وہ طاقت ور مردوں کے مقابلے میں اس کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی تھی' قریب تھا کہ اس کا دل غم کی شدت سے پھٹ جاتا کہ اسی پل گیٹ پر زوردار دستک ہوئی' شہریار اور حمزہ دونوں ہی اس غیر متوقع دستک پر چونکے تھے' پھر شہریار حمزہ کو تسلی دیتے ہوئے گیٹ کی جانب بڑھ آیا' یہی وہ موقع تھا جب ایمان نے حمزہ کو ذرا سا غافل پا کر دھکا دیا اور اس کے سنبھلنے سے قبل ہی وہاں لاؤنج میں رکھا ڈیکوریشن پیس اٹھا کر اسے دے مارا۔ حمزہ کے سر پر ضرب پڑی تھی اور وہ تڑپ اٹھا تھا۔

ایمان بنا ایک لمحے کی تاخیر کیے بھاگی اور خود کو مصحف کے کمرے میں مقید کر لیا۔ اس کا دل اس وقت بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ مصحف نے مذاق میں کہا تھا "اللہ ہے نا۔" اور اللہ نے حقیقت میں اس کی مدد کر کے ثابت کر دیا تھا کہ وہ ہے۔ اپنے پکارنے والوں کے لیے ان کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہے۔ صرف ایک لمحے میں بازی پلٹ گئی تھی۔

شہریار نے گیٹ کھول کر باہر دیکھا تو وہاں دور دور تک کسی ذی روح کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ ہوا بھی نہ چل رہی تھی کہ وہ اسے ہوا کی دستک ہی سمجھ لیتا' حیران و پریشان وہ گیٹ بند کر کے واپس آیا تو سامنے حمزہ اپنا چکراتا سر پکڑے ایمان کو گالیاں دے رہا تھا۔ مصحف فل اسپیڈ کے ساتھ گاڑی دوڑا کر گھر تک پہنچا تو شکست خوردہ سا شہریار' حمزہ کو سہارا دے کر اپنی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بٹھا رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" وہ متوحش سا گاڑی سے باہر نکل آیا۔

"کچھ نہیں یار۔ بڑی ہوشیار لڑکی ہے۔ آسانی سے قابو میں آنے والی نہیں۔" شہریار کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اندر چلا آیا۔ لاؤنج میں ٹیلی فون سیٹ کے قریب ایمان کا ڈوپٹہ پڑا تھا۔ اس نے جھک کر اس کا ڈوپٹہ اٹھایا اور پھر اسے

تلاشنا شروع کر دیا۔ وہ نیچے کہیں نہیں تھی' تب وہ اسے صدا دیتا اوپر کے پورشن کی طرف آیا تھا اور سب سے پہلے اپنے ہی کمرے کے دروازے کو چیک کیا تھا۔ وہ اندر سے لاک تھا اسے قدرے تسلی ہوئی۔

"ایمان۔" صدا لگانے کے ساتھ ہی اس نے دروازہ ناک بھی کیا تھا۔ تاہم اندر سے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔

"ایمان پلیز دروازہ کھولو۔ میں مصحف ہوں۔ مصحف۔" وہ اب بار بار صدا لگا رہا تھا۔ مگر وہاں ہنوز کوئی جواب نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے۔ تو پھر میں دروازہ توڑ رہا ہوں۔"

اس بار دھمکی کارگر ثابت ہوئی تھی۔ دروازہ کھلا تھا اور پچھ ہی دیر میں وہ روتی ہوئی باہر آئی تھی۔ مصحف نے ایک شرمندہ سی نگاہ اس پر ڈالی پھر رخ پھیر گیا۔

"ٹھیک ہے نا؟" جانے کس منہ سے اس نے پوچھا تھا۔ جواب میں وہ منہ چھپائے روتی رہی۔

"یہ ڈوپٹہ پکڑو' میں پانی لے کر آتا ہوں۔" وہ اس سے نظریں نہیں ملا رہا تھا۔ ایمان نے روتے ہوئے ڈوپٹہ خود پر پھیلا لیا۔ وہ پانی لے کر آیا تو وہ بمشکل دو گھونٹ بھر سکی۔

"تم ٹھیک ہو نا؟"

"ہوں۔"

"تھینک گاڈ۔" جانے کیوں بے ساختہ اس نے گہری سانس بھری تھی۔

"ایم سوری۔ شاید مجھے تمہاری طرف سے لاپروا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بہر حال نانو سے اس بات کا ذکر مت کرنا' پلیز۔" وہ التجا کر رہا تھا۔ ایمان جیسے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ساری کہانی جان گئی۔

"آپ اچھے ہیں مصحف صاحب۔ مگر آپ کے دوست اچھے نہیں ہیں۔" اگلے ہی پل وہ اسے دیکھتے ہوئے آنسو پونچھ گئی' مصحف سر اٹھا کر اسے دیکھ بھی نہ سکا۔

"مجھے احساس ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ مگر۔ میں یہاں قطعی کسی خاص مقصد کے لیے نہیں آئی تھی میں تو مشکل میں پھنسی تھی اور اللہ نے اپنی رحمت سے آپ کو میرا مددگار بنا دیا۔ آپ نہ ہوتے تو شاید میں کسی بے نیاز کسی اور وسیلے سے میری حفاظت فرماتا جیسے آج اس نے اپنی رحمت سے میری گناہ گار ذات کو محفوظ رکھا۔ بہر حال میں آپ کی احسان مند ہوں۔ مگر۔ آپ کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوں۔" وہ آج پہلی بار اس پر کچھ واضح کر رہی تھی۔ مصحف اس کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔

"فی الحال میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ کچھ وقت کے بعد ہو سکتا ہے' میں یہاں سے چلی جاؤں تب تک نانو جو بھی سمجھیں' آپ کے لیے میں اس گھر کی معمولی ملازمہ کی حیثیت سے رہوں گی اتنا اعتبار تو آپ کر ہی سکتے ہیں مجھ پر۔" اسے پانی میں بھگو بھگو کر مارنا آتا تھا۔ مصحف لب بھینچے اسے دیکھتا سر ہلا کر واپس پلٹ گیا۔

اس رات جانے کیوں وہ پوری رات نہیں سو سکا تھا۔ دل و اعصاب پر ایک عجیب سا بوجھ تھا۔ اگلے روز وہ حمزہ اور شہریار سے الجھ پڑا۔

"میں نے کہا تھا نا' وہ ایسی لڑکی نہیں ہے' اب ہو گیا شوق پورا؟"

"نہیں۔ اس مکار اسٹوپڈ لڑکی کو سبق سکھا کر رہوں گا میں۔" سر پر پٹی باندھے وہ مشتعل ہوا تھا' مصحف کا پارہ چڑھ گیا۔

"خبردار۔ اب دوبارہ تمہارے دماغ میں ایسا کوئی شیطانی خیال آیا تو' پہلے ہی نظریں ملانے کے قابل نہیں چھوڑا ہے تم لوگوں نے مجھے۔"

"کیوں' تمہارا کیا معاشقہ چل پڑا ہے اس سے جو نظریں ملانے کی نوبت آگئی؟"

"جسٹ شٹ اپ حمزہ۔ انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"واہ۔ نو سو چوہے کھا کر بلی کو انسانیت یاد آئے گی' اس وقت کہاں تھی یہ انسانیت جب تجھے خوش کرنے کے لیے ہم گھنٹوں خوار ہو کر کالجز اور یونیورسٹیز کے دھکے کھاتے تھے۔" وہ جلا بیٹھا تھا' مصحف مشتعل سا اٹھ کھڑا ہوا۔

http://www.pakfunplace.com

"جتانے کا بہت شکریہ۔ آج کے بعد تمہیں میرے لیے ایسی خواری کی ضرورت نہیں پڑے گی، بہرحال دوبارہ میرے گھر آؤ تو اس لڑکی کو اپنی بہن سمجھ کر آنا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" شہریار نے بات سنبھالنے کی کوشش کی تھی مگر وہ اس کا ہاتھ جھٹکتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

پچھلے چھبیس سالوں میں پہلی بار وہ اپنے دوستوں سے لڑا تھا۔ اور ایک ایسی لڑکی کے لیے لڑا تھا جسے وہ ٹھیک سے جانتا بھی نہیں تھا۔ اسے یاد نہیں تھا مگر نانو بتاتی تھیں کہ وہ صرف ایک سال کا تھا، جب اس کی ماں اسے نانو کی گود میں ڈال کر چلی گئی تھی، نانو بزنس ویمن تھیں، اکلوتی لاڈلی بیٹی کی ہٹ دھرمی پر اس کی شادی کے بعد قطع تعلق کے باوجود، جب وہ طلاق لے کر ان کے پاس آئی تو وہ اسے دھکے دے کر گھر سے نکال نہ سکیں۔ بعد ازاں ان کی بیٹی نے دوسری شادی کرلی اور ملک سے باہر اپنی نئی زندگی میں کھو گئی۔ چھوٹا مصحف نانو کی ذمہ داری بن گیا۔ پہلے پہل انہیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بعد ازاں وہ اس کے ننھے وجود کی عادی ہوتی چلی گئیں۔ کہتے ہیں اصل مال سے سود زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ انہیں بھی تو اسے پاکر بیٹی بھول گئی تھی، وہ بیٹی کہ جسے صرف اپنی زندگی، اپنی خوشیوں سے غرض تھی۔

مصحف پانچ سال کا ہوا تو وہ اسے اپنے ساتھ فیکٹری لے جانا شروع ہو گئیں۔ بی اے تک وہ ان کے ساتھ کالج کے بعد فیکٹری جاتا رہا۔ بعد ازاں ہائی اسٹڈی کے لیے وہ باہر گیا تو اس نے فیکٹری جانا چھوڑ دیا۔ پھر نانو کا بھی دل نہ لگا اور یوں وہ سب کچھ مینیجر پر ڈال کر گھر کی ہو رہیں، مصحف دو سال کے بعد واپس آیا تو جیسے وہ زندگی کی طرف واپس آ گئیں۔

ان کے گھر میں مصحف اور اس کے بچپن کے تین دوستوں حمزہ، شہریار اور شاہ میر کے دم سے ہی رونق تھی۔ چاروں بلا کے شریر تھے۔ شہریار کا ذاتی بزنس تھا، جبکہ حمزہ کہیں جاب کرتا تھا، شاہ میر البتہ ابھی بے روزگار ہی تھا۔ ادھر مصحف ساری ذمہ داری نانو اور ان کے پر اعتماد ملازمین پر ڈال کر خود عیش کر رہا تھا۔

زندگی میں کسی بھی رشتے کے قریب نہ پا کر اس کی ذات اس آزاد بیل کی مانند پروان چڑھی تھی، جس کا کوئی سرپرست نہیں ہوتا۔ اسے بھی رشتوں کی نزاکت و حرمت کا پتا تھا، نہ زندگی کے صحیح چال چلن کا۔ نماز، قرآن سے اس کا واسطہ اتنا ہی تھا جتنا کسی بھی آزاد گھرانے کے بچوں یا افراد کا ہوتا ہے۔ دو سال لندن میں قیام کے دوران اس نے جی بھر کر آزادی کے مزے لوٹے تھے۔ کوئی ایسا گناہ نہیں تھا جو اس نے ان دو سالوں میں کھلم کھلا نہ کیا ہو، تاہم پاکستان واپسی کے بعد وہ ذرا سا محتاط ہو گیا تھا۔ اپنی خوشی یا عیاشی کے لیے اپنی بے حد پیاری نانو کو کسی بھی دکھ سے دوچار کرنا اسے کسی صورت گوارا نہیں تھا۔ عجیب بے خود سی زندگی تھی، جس میں کہیں کسی نفع و نقصان کا خیال تک نہیں تھا۔

نانو نصی آنٹی کا دل صاف کرنے کے بعد ان دونوں کی شادی کا باقاعدہ اعلان کرنے کی تیاری کر رہی تھیں اور ایمان یہاں آکر بری پھنسی تھی۔ اسے مصحف سے بات کرنی تھی۔ اس روز وہ تھکن سے چور، الجھا الجھا سا گھر پہنچا، تو ایمان نانو کو کھانا کھلا رہی تھی۔ وہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ کرتا، بنا ان سے [illegible] کے وہیں لاؤنج میں صوفے پر [illegible] لیٹ گیا۔

"سنیے۔" وہ چونکا تھا۔ [illegible] ایمان کو دیکھتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔

"جی فرمائیے۔"

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تو چائے لے آؤں؟"

"نہیں شکریہ۔"

"وہ...؟"

"کچھ بھی نہیں۔ پلیز سو جائیں آپ جا کر، مجھے جو چیز چاہیے ہو گی میں خود لے لوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔" بالآخر وہ اصل مدعا ہونٹوں پر لے آئی تھی، مصحف پاؤں زمین پر ٹکا کر سیدھا ہو بیٹھا۔

"کہیے۔"

"وہ... نانو ایک دو روز میں ہماری... میرا مطلب ہے آپ کی اور میری شادی کا باقاعدہ اعلان کرنے کی تیاری کر رہی ہیں، آپ پلیز ان سے بات کر کے انہیں روک دیں۔"

"کیوں روک دوں؟ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کی گھڑی ہوئی کہانی سچ ہونے جا رہی ہے۔"

"میں نے آپ کو پس منظر بتایا تھا۔"

"سو واٹ؟ پلاٹ آپ کا تھا اس کی وضاحت بھی آپ ہی کریں گی۔ نانو کو میری کسی بات کا اعتبار نہیں ہے اب۔" وہ اس کی [illegible] صاف مکر گیا تھا۔ ایمان بے بسی سے لب کچل کر رہ گئی۔

فی الحال [illegible] نانو کو سچ بتا کر ان کی ناراضی مول لینے کی ہمت نہیں تھی اور ادھر وہ جیسے ہتھیلی پر سرسوں جمائے بیٹھی تھیں۔ بنا ایمان سے مشورہ کیے وہ اس کی ذہنی کہانی کو حقیقت کا رنگ دینے کے لیے بے تاب تھیں۔ ایمان کا دل چاہا وہ وہاں سے بھاگ جائے۔ مگر بھاگ کر جاتی تو کہاں جاتی، اب تو کوئی در بھی ایسا نہیں رہ گیا تھا جو اسے پناہ دے دیتا۔

عجیب بے بسی اور خاموش دعائیں تھیں۔ ادھر مصحف یوں چپ سادھے ہوا تھا جیسے یہ اس کا نہیں کسی اور کا معاملہ ہو، اسے اب اس پر غصہ آ رہا تھا۔ جبکہ وہ بے نیاز سا اپنے دوستوں کے ساتھ ہونے والی جھڑپ کی ٹینشن ذہن سے جھٹکنے کے لیے بنا نانو کے مجبور کیے، فیکٹری جانا شروع ہو گیا تھا۔ ایمان چاہنے کے باوجود اس سے تنہائی میں بات کرنے کا موقع دوبارہ نہ پا سکی۔

☼ ☼ ☼

اس روز نانو نے اسے زبردستی مصحف کے ساتھ شاپنگ کے لیے مارکیٹ بھیجا تھا۔ تقریباً آدھا راستہ دونوں خاموش رہے تھے۔ تب ایمان نے ہی بولنے میں پہل کی۔

"آپ اپنے دوستوں سے ناراضی کی وجہ سے اپ سیٹ ہیں؟"

"نہیں۔" [illegible] وہ اس کی طرف دیکھنا گوارا نہیں کر رہا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے دوستوں کی وجہ سے اپ سیٹ ہیں، اور آپ یقین کیجیے میں اس کے لیے بہت افسردہ ہوں، میری وجہ سے آپ کے..."

"اس موضوع کے علاوہ کوئی بات نہیں کر سکتیں تم۔" اس کی بات درمیان میں ہی کاٹتے ہوئے وہ اس پر برہم ہوا تھا۔ ایمان اسے دیکھ کر رہ گئی۔ باقی کا راستہ پھر خاموشی کی نذر ہو گیا۔ اگلے دس منٹ میں گاڑی ایک شاندار جیولر شاپ کے سامنے رکی تھی۔

"آؤ۔" گاڑی سائیڈ پر کھڑی کرنے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"مجھے کچھ نہیں خریدنا۔ نانو حقیقت سے بے خبر ہیں، آپ تو نہیں۔" وہ جھجکی تھی۔ تب ہی وہ پھر الٹ پڑا۔

"تم آتی ہو کہ میں کھینچ کر باہر نکالوں؟" اور وہ اس کے انداز پر حیران رہ گئی تھی۔ تاہم بولی کچھ نہیں۔ وہ اس کے لیے اپنی مرضی سے جیولری پسند کر رہا تھا، ڈائمنڈ رنگ، بریسلٹ، ایئر رنگز، لاکٹ سیٹ، جانے کیا کیا۔ وہ بس خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ اس کے بہانے اپنی کسی گرل فرینڈ کے لیے وہ سب خرید رہا ہے۔ تاہم اسے اس کے ارادوں کی خبر نہیں تھی۔

"اپنا بایاں ہاتھ ادھر کرو۔" ڈائمنڈ رنگ پر نظریں جمائے نیا حکم جاری کیا تھا اس نے، ایمان نا چاہتے ہوئے بھی حکم کی تعمیل کر گئی۔ تب اس نے رنگ اسے پہنا کے چیک کی، پھر بل پے کر کے اس سے یکسر لاتعلق نظر آتا شاپ سے باہر نکل آیا۔ وہ آج کل اتنا مصروف اور سنجیدہ ہو گیا تھا کہ ایمان لاکھ کوشش کے باوجود اس سے کوئی بات نہ کر پائی تھی۔ اس روز اس نے باتوں ہی باتوں میں نانو کو اپنا بیک گراؤنڈ بتایا تھا اور وہ چونک گئی تھیں۔

"کیا ہوا نانو؟"

http://www.paktumplace.com

"کچھ نہیں۔" اس کی حیرانی پر وہ اپنی پریشانی چھپا گئی تھیں اور رات میں جب مصنف گھر واپس آیا تو اس نے نانو کو اٹھ کر اس کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ شاید وہ اس کے بارے میں جان کر پریشان ہو گئی تھیں اور اب مصنف سے اس فرضی تعلق کا انتقام چاہتی تھیں۔ کتنی خوشگوار سوچ تھی یہ کہ وہ کسی نئے امتحان میں نہیں پڑے گی' آج نہیں تو کل ضرور اس کی واپسی کا کوئی راز نکل آئے گا۔ مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ وہاں مصنف کیا طے کیے بیٹھا ہے۔ اس کا ارادوں کی خبر اسے ان تقریب والے روز ہوئی تھی' جب اس کے بخار کی پروا کیے بغیر اسے نا صرف باقاعدہ دلہن بنایا گیا بلکہ مصنف نے چالاکی سے دوبارہ نکاح کی بیج بھی اڑا دی۔ نانو سے اس نے یہ ہی کہا تھا کہ وہ شادی کی پوری رسم کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ پہلے نکاح کی اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رہی۔

وہ احتجاج کرنا چاہتی تھی' نانو کو سب کچھ سچ سچ بتا کر اس جھنجھٹ سے نکلنا چاہتی تھی۔ مگر اتنے مہمانوں کے بیچ وہ جیسے پنجرے میں قید چڑیا کی مانند پھڑپھڑا کر رہ گئی۔ لوگوں کے بیچ تماشا لگا تھا اس کا اور۔۔۔ وہ پھر ہار گئی تھی۔

نانو خوش تھیں مصنف کا اسے پتا نہیں تھا۔ تاہم نکاح کے بعد یوں ہی اچانک اس کی نظر اٹھی تو وہ اسے حمزہ' شہریار اور شاہ میر کے درمیان خوشگوار موڈ میں کھڑے دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ یہ کیسا کھیل کھیلا تھا اس نے کہ اپنا نام دے کر اس کی عزت کے لٹیروں کے ساتھ صلح کر لی تھی۔ اسے پتا ہی نہ چلا کہ کب اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ کاش اس موقع پر اس کے بابا اس کے پاس ہوتے تو وہ ان سے ضرور کہتی۔

"بابا دیکھیے۔۔۔ انہوں نے میرے ساتھ کیا کیا۔"

مگر وہ اس کے پاس ہی تو نہیں تھے۔ اس کا کوئی بھی اپنا اس کے پاس نہیں تھا۔ تب ہی وہ بلک بلک کر رونا شروع ہو گئی تھی۔ وہ جو خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھیں۔ اس اچانک افتاد پر بوکھلا کر رہ گئیں۔ خود مصنف گھبرا کر اس کے پاس چلا آیا تھا۔ دونوں کو ہی اس کے یوں شدت سے رونے کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے بچی گھبرا گئی ہے۔" نانو روہانسی ہو رہی تھیں۔ مصنف نے اس کا سرد ہاتھ تھام لیا۔

"آپ اسے کمرے میں لے جائیں نانو۔ میں کھانے وغیرہ کا انتظام کرتا ہوں۔" وہ شاید اس کے یوں اچانک رونے کی وجہ سمجھ گیا تھا۔ نانو رشتہ دار خواتین کی مدد سے اسے مصنف کے فل ڈیکوریٹڈ کمرے میں لے آئیں' جسے تھوڑی دیر پہلے ہی اس کے دوست سجا کر گئے تھے۔

"میرا خیال ہے وہ ہمیں یہاں دیکھ کر ہرٹ ہوئی ہیں۔" حمزہ نے اس کے جانے کے بعد سب سے پہلے رائے پیش کی تھی۔ شہریار اور شاہ میر نے بھی اس کی تائید کی۔

"ہوں۔۔۔ ابھی وہ جانتی نہیں ہے نا کہ تم لوگ سالے بن گئے ہو۔" وہ مسکرایا تھا جواب میں تینوں نے مسکرا کر اسے ایک مکا رسید کیا۔ رات گئے تھکن سے چور وہ کمرے میں آیا تو ایمان جب بھی گلاس ونڈو میں کھڑی جانے باہر کیا تلاش رہی تھی۔ وہ کمرہ لاک کرتا کچھ سوچتے ہوئے اس کے قریب چلا آیا۔

"السلام علیکم۔" وہ چونکی تھی اور پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے پھر رخ موڑ گئی۔

"میرا خیال ہے تم وہاں آسمان پر وہ ستارہ تلاش کر رہی ہو جسے تم سے ٹکرانا ہو گا۔" وہ مسکرایا تھا۔ سچی خوشی اس کے خوب صورت چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی تب ہی وہ پھر رو پڑی۔

"کیوں کیا آپ نے میرے ساتھ ایسا؟" آواز بھی بھاری ہو رہی تھی' وہ مسکرا دیا۔

"کیا کیا ہے میں نے' پوری عزت اور مان کے ساتھ اپنا نام ہی تو دیا ہے۔"

"یہ جانے بغیر کہ میں کون ہوں' کیا ہوں؟"

"نہیں۔۔۔ سب کچھ جان کر ہی کیا ہے' البتہ تم

نہیں جانتیں کہ جس فیکٹری میں تم کئی سال کام کرتی رہی تھیں وہ میری ہی ہے۔"

"واٹ۔۔۔؟" وہ واقعی حیران رہ گئی تھی۔ وہ اسے کندھوں سے تھام کر بیڈ پر لے آیا۔

"ہوں۔۔۔ یقین نہ آئے تو صبح ساتھ چلنا۔" وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔ ایمان نے اس کے ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹا دیے۔

"میں یہ سب نہیں چاہتی تھی۔" وہ اب اضطراب کا شکار تھی۔

"کیوں۔۔۔؟ تم یہ چاہتی تھیں کہ ہم نکاح کے بغیر ایک کمرے میں رہتے اور پھر۔۔۔" اس نے دانستہ لب دبائے تھے۔ وہ فوراً اس کے پہلو سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں نے کب چاہا' میں نے صرف پناہ چاہی تھی' آپ سے اور کچھ نہیں۔"

"پناہ کے ساتھ ساتھ پیار' محبت' عزت' تحفظ اور بہت کچھ بھی مل گیا تو کیا ہوا' تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔"

"مگر میں خوش نہیں ہوں۔" فوراً وہ دھاڑی تھی۔

"کبھی بھی خوش نہیں رہ سکتی میں آپ کے ساتھ' کیونکہ میں۔۔۔ میں کسی اور کو چاہتی ہوں۔" اس نے کہتے ہی رخ پھیر لیا تھا۔ ادھر مصنف کا چہرہ پل میں تاریک ہو گیا۔

"کیا بکواس ہے یہ؟"

"بکواس نہیں حقیقت ہے' میں امجد کو چاہتی ہوں' اس امجد کو جو میرا بچپن کا ساتھی ہے۔ جس سے میرے دکھ اور سکھ سانجھے ہیں' جو صرف میرے لیے ہے' صرف میرے لیے۔" وہ بول رہی تھی' مگر مصنف کو لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر رہا ہے۔ اس میں مزید کچھ سننے کی ہمت نہیں تھی۔ لہٰذا لب بھینچ کر ضبط کا مظاہرہ کرتا وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔ ایمان اس کے جانے کے بعد تھکی تھکی سی بیڈ پر آ بیٹھی۔ اسے وہ سب ایک خواب لگ رہا تھا۔

بھیانک خواب' جانے اس کے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا تھا۔ اجالا سے ایمان بن کر بھی وہ زندگی کی آزمائشوں سے دامن نہیں چھڑا سکی تھی۔

اسے یاد آ رہا تھا اس روز خرابی طبیعت کے باوجود وہ کام پر جانے کے لیے اٹھی تھی کیونکہ سیٹھ کے گھر مہمان آنے تھے اور اسے ان کے لیے بہت سی ڈشز کا اہتمام کرنا تھا۔ بھابھی نے اسے منع کیا تھا۔ خود سعد بھی اس کی جاب کے حق میں نہیں تھا۔ مگر وہ اس کی تسلی کے لیے پردے میں آتی جاتی تھی' محلے والوں کی اس کے لیے مختلف رائے تھی۔

کوئی اس کی تعریف کرتا تھا کہ اس نے مشکل وقت میں گھر کو سہارا دیا تو کوئی اس کا نام سنتے ہی کانوں کو ہاتھ لگاتا کہ اس کا کردار صحیح نہیں۔ حالانکہ اس نے ہمیشہ محتاط زندگی گزاری تھی۔ فیکٹری جانے کے علاوہ بھی بلا ضرورت گھر سے باہر قدم نہ نکالا۔ فیکٹری میں کام کے دوران بھی سب کے ساتھ اس کا رویہ لیا دیا سا ہی ہوتا تھا۔ اس کے باوجود دنیا اس سے خوش نہیں تھی۔ مگر اسے اب دنیا کے خوش ہونے نہ ہونے سے فرق بھی کہاں پڑتا تھا۔

امجد کے پاکستان سے چلے جانے کے بعد اس کے لیے جیسے ہر چیز بے معنی ہو گئی تھی۔ اسی روز خراب طبیعت کے باوجود وہ گھر سے نکل آئی تھی۔ سیٹھ کی بیوی اور ماں گھر پر نہیں تھیں صرف ملازم تھے' وہ آ کر پچھتائی۔ مگر اللہ کا نام لے کر کام میں لگی رہی' دوپہر تک اس کا بخار مزید بڑھ گیا۔ کچن میں مزید کھڑے رہنا اب اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ لہٰذا دوپٹے سے پسینہ پونچھتی وہ اجازت لینے کے لیے سیٹھ کے پاس آئی تھی۔ جو شراب کے نشے میں دھت بیٹھا مہمانوں کا انتظار کر رہا تھا۔

"آصف صاحب! میں نے کھانا تیار کر دیا ہے' میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں گھر جا رہی ہوں۔"

"ابھی نہیں جا سکتیں آپ۔" فوراً وہ بولا تھا۔ اجالا کا دل دھڑک اٹھا۔

"کیوں۔۔۔ میں فری ہو گئی ہوں تو۔۔۔"

http://www.pakiunplace.com

"کس نے فری کیا ہے آپ کو؟" اچانک وہ بدلے تیوروں کے ساتھ بولا تھا اور اجالا جیسے فریز ہو کر رہ گئی تھی وہ اٹھا تھا اور اس نے سب سے پہلے اجالا کے منہ پر ہاتھ جمایا تھا۔ یہ سب اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکی۔

سیٹھ نے اسے اوپر والے فلور پر اپنے کمرے میں قید کر دیا تھا۔ ساؤنڈ پروف اس کمرے میں اس کی آواز دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر واپس آ گئی رہی اور وہ اسے بد ارادے سے قید کر کے اسی پل کمرے سے نکل گیا۔

صبح سے دوپہر ہوئی اور دوپہر سے شام۔ اس نے رو رو کر اپنی آنکھیں سوجا لی تھیں۔ مگر یہاں کوئی اس کی مدد کے لیے نہیں آیا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ سیٹھ کے ارادے کیا ہیں اور یہ کہ وہ اس کے ساتھ کیا کرنے کی ٹھانے ہوئے ہے' بھوک پیاس اور بخار نے الگ نڈھال کر چھوڑا تھا۔ اس میں اتنی سی سکت بھی نہیں تھی کہ وہ ونڈو کے شیشے توڑ کر ہی وہاں سے فرار کی کوئی کوشش کر سکتی' اس لیے وہ صرف کمرہ اندر سے لاک کر سکتی تھی لو وہ اس نے کر لیا تھا۔ مگر کب تک؟

ایک روز... دو روز... تین روز... وہ نہیں جانتی تھی کہ تین دن گھر واپس نہ جانے پر اس کے بھائی اور بھابھی کا کیا حال ہوا ہو گا۔ انہوں نے اس کے بارے میں کیا سوچا ہو گا؟ کتنا غلط سمجھا ہو گا اسے؟ سب ختم ہو گیا تھا جیسے سب کچھ۔ وہ قدرت کی اس آزمائش پر صرف رو سکتی تھی اور وہ رو رہی تھی۔ اسے اس اجنبی کمرے میں قید ہوئے وہ تیسرا دن تھا جب سیٹھ اس رات اپنے ساتھ دو اور لوگوں کو بھی لے آیا۔ شاید اس میں مزید برداشت کی ہمت نہیں رہی تھی۔ وہ لوگ دروازہ توڑنے کے درپے تھے اور ادھر بھوک و بیماری سے نڈھال اجالا کی جان جیسے حلق میں اٹک آئی تھی۔ عزت گنوانے کے بعد موت کا تصور اس کے لیے بے حد بھیانک تھا' یہ ہی وجہ تھی کہ چار سال بعد اسے پھر اللہ یاد آیا تھا۔

وہ جانتی تھی اس لیے اللہ کی قدرت کے سوا دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں بچا سکتی تھی۔ عزت گنوانے کے بعد زندہ بچ جانا کوئی معنی بھی نہیں رکھتا تھا۔ لہٰذا وہ اللہ سے اپنی عزت کی حفاظت کی دعا مانگتی۔ آخری کوشش کے طور پر لڑکھڑاتی اٹھی تھی اور طاقت سے جو چیز بھی ہاتھ لگی اس نے ونڈو پر دے ماری' باہر گھپ اندھیرے میں صرف لان کی لائٹیں جل رہی تھیں۔ نہ کچھ دکھائی دے رہا تھا نہ سمجھ میں آ رہا تھا۔ ونڈو کا شیشہ صرف اتنا ٹوٹا تھا کہ وہ زخمی ہو کر ہی سہی مگر باہر نکل سکتی۔ اگر سیٹھ کا کمرہ سیکنڈ یا تھرڈ فلور پر ہوتا تو شاید وہ بھی وہاں سے زندہ بچ کر نہ جا سکتی۔

ونڈو سے باہر کودنے کے بعد وہ زخموں کی پروا کیے بغیر بھاگ کر گیٹ کے قریب آئی تھی جہاں موجود کتے نے بندھا ہونے کے باوجود اسے دیکھ کر بھونکنے کے ساتھ ساتھ اچھلنا کودنا شروع کر دیا تھا۔ گیٹ لاک نہیں تھا۔ پھر بھی وہ اسے کھول کر باہر نکلتے ہوئے ہانپ گئی تھی۔ سب کچھ جیسے ڈرامائی ہو رہا تھا۔ اللہ کی مدد شامل حال ہو تو وہ کیسے اپنے بندوں کو بھنور سے سلامت نکال لیتا ہے' اس وقت وہ جان پائی تھی۔

کتے کے بھونکنے کی تیز آواز پر وہ لوگ' جو اسے شکستہ عمارت کی مانند مسمار کر دینا چاہتے تھے بھاگ کر باہر آئے تھے۔ مگر تب تک وہ کافی دور نکل آئی تھی۔ پھر بھی انہوں نے اس کا پیچھا کیا تھا۔ وہ عزت بچانے کے لیے سیٹھ کے گھر سے بھاگ آئی تھی مگر عزت بچانے کے لیے مصحف علی میر سے دور نہ بھاگ سکی۔ جانے ابھی اس کی قسمت میں اور کس کس سے بھاگنا لکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

شدید تھکن' بخار اور الجھن کے باوجود وہ بیڈ پر بیٹھی بنا لباس تبدیل کیے سو گئی' اسے خبر ہی نہ ہوئی۔ مصحف دوبارہ کمرے میں واپس آیا تو وہ سمٹ کر سو رہی تھی' وہ ایک نظر اس پر ڈالتا گہری سانس بھر کر بیڈ کی دوسری سائیڈ پر آ بیٹھا۔

اجالا کی آنکھ کھلی تو وہ اسے قریب بیٹھا دیکھ کر فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اس کا خیال تھا وہ اب اسے بستر

چھوڑنے کو کہے گا اور کہے گا کہ اسے نیند آ رہی ہے۔ لہٰذا وہ اس کے بستر سے اٹھ جائے۔ مگر اس نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔ خوب صورت آنکھوں کی سرخی اس کے اندر کا حال خوب واضح کر رہی تھی۔

"کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ اس رات تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا اور تم کیوں بھاگ کر آئی تھیں؟" کچھ دیر خاموشی کے بعد کمرے میں اس کی آواز گونجی تھی۔ اجالا کے ہاتھ اپنے گلے پر رک گئے۔ وہ زیور اتارنے کی کوشش میں تھی۔

"ہوں... سب بتاؤں گی... مگر کیا آپ میرا یقین کریں گے؟"

"ہاں... کروں گا۔" وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اجالا اپنے ہاتھوں کے ناخن سے کھیلتی اسے شروع سے آخر تک تمام حالات و واقعات سے آگاہ کرتی گئی یہاں تک کہ اپنے تایا غلام عباس کے اپنے مذہب سے پھر جانے کے حوالے سے بھی۔ مصحف اس دوران بالکل خاموش رہا تھا۔

"اب کہاں ہوتے ہیں وہ؟ اور جس بیوی کو وہ شخص چھوڑ چکا ہے اس کا کیا بنا؟"

"پتا نہیں... تایا سے علیحدگی کے بعد انہوں نے دوبارہ کسی سے رابطہ ہی نہیں رکھا۔ اپنا بیٹا بھی وہ ساتھ ہی لے گئی تھیں۔"

"ہوں... یعنی اسجد غلام عباس کا بھائی؟"

"جی... تایا کا بڑا بیٹا اور اسجد کا بڑا بھائی۔"

"تمہیں پتا ہے اس کا نام کیا ہے؟" اب اس نے رخ پھیرا تھا۔ اجالا سر نفی میں ہلا گئی۔

"نہیں... مگر آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"اس لیے تاکہ تم اس ایمرجنسی شادی کی وجہ جان جاؤ' جاننا چاہو گی اسجد غلام عباس کا بڑا بھائی کون ہے؟ میں ہوں' میں' تمہارا شوہر مصحف علی میر۔" ایک دم وہ جذباتی ہوا تھا۔ اجالا حیرانی سے گنگ بنا پلک جھپکائے اسے دیکھتی رہی۔

"مجرم ہے وہ شخص میرا' جس نے زندہ ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ باپ کی شفقت سے محروم رکھا مجھے' اور اب اب اس کا بیٹا بھی میرا مجرم ہے' جس نے بیوی ہوتے ہوئے بھی مجھے اس کی سچی محبت سے محروم کر دیا۔" وہ اس کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ تب ہی اٹھ گیا تھا۔ اجالا کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

"تم اجالا یا ایمان جو بھی ہو' دونوں ہی نام بہت سوٹ کرتے ہیں تم پر۔ کچھ روز پہلے جانے کیوں مجھے لگا کہ اگر میں تمہارے جیسی لڑکی کے ساتھ زندگی گزاروں گا تو میری زندگی تاریک نہیں ہو گی۔ جو مضبوطی میں نے تمہارے کردار کے حوالے سے دیکھی' فیکٹری مینیجر سے جانی' اس کے بعد مجھ پر واضح ہوا کہ عورت کی اصل خوب صورتی ایمان کی' کردار کی حفاظت ہی تو ہے' پھر اور کسی بھی شخص کو گھر میں اچھا نہیں لگتا۔ مگر... وہ کہتے ہیں نا کہ نیک مرد کے لیے نیک عورت اور بد مرد کے لیے بد عورت ہوتی ہے تو پھر تم مجھے کیسے مل سکتی ہو' زبردستی بھی کبھی کوئی تعلق بن پایا ہے کسی سے؟" گلاس ونڈو سے پردے ہٹا کر باہر یاسیت سے دیکھتا وہ بھاری آواز میں کہہ رہا تھا۔ اجالا شرمندہ سی اٹھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

"آپ بہت اچھے ہیں' کوئی بھی اچھی لڑکی..."

"ہر موڑ ہر قدم پر اچھی لڑکیاں نہیں ملتیں۔ اپنے اصول' اپنے رنگ ہوتے ہیں زندگی کے۔ جس طرح کتاب میں ہر باب ایک جیسا نہیں ہوتا' اسی طرح زندگی کی اسٹیج پر ہر کردار ایک جیسا نہیں ہوتا' ایسے ہی ہوتے ہیں کچھ لوگ' جن کے حصے میں صرف پیاس آتی ہے' صرف پیاس۔" اسے بولنے کا موقع دیے بغیر وہ پھر جذباتی ہوا تھا۔ اجالا قصور نہ ہوتے ہوئے بھی سر جھکا گئی۔

"آپ کے بازو کا زخم کیسا ہے اب؟" وہ اس کا دھیان بٹانا چاہتی تھی۔ مصحف بے قرار سا ونڈو سے پلٹ آیا۔

"ٹھیک ہے۔ مگر میں اس زخم کو کبھی بھرنے نہیں دوں گا۔ یہ جب تک رستا رہے گا مجھے یاد رہے گا کہ میری زندگی میں کوئی آیا تھا۔" وہ اب ڈریسنگ ٹیبل کی دراز پر جھکا تھا۔

"گوریہ لو۔ یہ سب میری طرف سے تمہارے لیے ہے' جب یہاں سے جاؤ تو یہ سب چیزیں تحفتاً" اپنے ساتھ لے جانا۔ پلیز۔" ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے کچھ روز پہلے اسی کے ساتھ خالص اپنی پسند سے خریدی جانے والی جیولری وہ اب اس کی نذر کر رہا تھا۔ اجالا ہکا بکا سی دیکھے گئی۔

"میرا مت ماننا' مگر میں اسجد غلام عباس سے جڑی ہر چیز سے نفرت کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ اس کے باپ سے بھی۔ اسی لیے اس کا نام میرے نام کا حصہ نہیں ہے۔ تاہم اس کی محبوبہ سے شاید میں کبھی نفرت نہ کرپاؤں اور اس کی وجہ خود میں بھی نہیں جانتا۔ تمہیں جتنے دن یہاں رہنا ہے رہو' جب جانے لگو تو چپکے سے چلی جانا۔ پلیز۔" اس کا سرد رد کی شدت سے پھٹ رہا تھا۔ اجالا ایک اجنبی شخص کی خو سے اتنی چاہ پر حیران ہی تو رہ گئی تھی۔ وہ ایک مرتبہ پھر کمرے سے نکل گیا تھا۔ تاہم وہ ابھی سی وہیں کھڑی رہی۔ اس وقت وہ شخص کیا کیا منکشف نہیں کر گیا تھا اس پہ۔

بہتے اشکوں کے تسلسل میں روانی کم ہے
ایسا لگتا ہے کہ دریاؤں میں پانی کم ہے

تو نے دامن میں سمیٹے ہیں زمانے کتنے
اے محبت تجھے انسان سا فانی کم ہے

☼ ☼ ☼

شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ مار بل کے شان دار گھر میں جوڑوں کے درد کے ساتھ تنہا بیٹھی شہناز بیگم جیسے اب گھبرانے لگی تھیں۔ اسجد ملک سے باہر تھا اور ولید کی جو سرگرمیاں تھیں وہ اب ان کی نگاہ سے اوجھل نہ رہ سکی تھیں۔ وہ ڈرنک کرنے لگا تھا۔ "چار پیسے" ہاتھ آجانے کے بعد اس کے طور طریقے بھی "ہائی سوسائٹی والوں" جیسے ہو گئے تھے۔

پانچ وقت کی نماز اور قرآن کی باتوں پر اب وہ اپنے دوستوں کا مذاق اڑاتا۔ صرف انیس سال کی عمر میں اس نے قدم بدکاری کی دلدل میں بھی رکھ دیے تھے۔

شہناز بیگم سب کچھ دیکھ رہی تھیں' مگر خاموش تھیں۔

غلام عباس صاحب پر اب بہت سے بھید کھل رہے تھے۔ غریب مسلمانوں کی مجبوریوں کو جانچ کر ان سے ان کی دنیا و آخرت کی سرخروئی خریدنے والوں کے مظالم بہت بھیانک تھے۔ وہ شخص اب جان رہا تھا کہ حقیقت کیا تھی؟

بڑے پیمانے سے سارے ملک پر بھوک بکھیر دینے والوں کے اپنے ضمیر اور ایمان تو کب کے بک چکے تھے اب تو صرف مسلمان ہونے کا لیبل رہ گیا تھا ان پر۔ مگر یہ بڑے پیمانے سے سارے ملک پر بکھرنے والی بھوک' وہاں ان غریب' محنت کش' سفید پوشوں کی زندگیوں میں کیسے کیسے دکھ اور طوفان لا رہی تھی۔ شاید اس طرف ابھی کسی کا دھیان ہی نہیں جا رہا تھا۔ اندر سے کافر اور باہر سے بظاہر مسلمان وہ لوگ' کس تباہی کی طرف عوام کو دھکیل رہے تھے۔ اس پر توجہ کرنے کی فرصت نہ اعلا عدالتوں کو محسوس ہو رہی تھی نہ پاک افواج کو' چھوٹے چھوٹے ننھے منے نونہالوں کے ذہن نام کے مسلمان' مگر اندر سے خطرناک عزائم رکھنے والے ایسے بے ضمیر اساتذہ داغ رہے تھے کہ جن کو خصوصی تربیت ہی اس کام کے لیے دی گئی تھی۔ دولت مند گھرانوں کے مصروف ترین والدین کے پاس اتنی فرصت ہی نہ رہی تھی کہ وہ اپنے بچوں کے اساتذہ کی تھوڑی بہت جانچ پڑتال کر کے اتنا سا جاننے کی کوشش کرتے کہ بھاری فیس وصول کر کے آخر ان کے بچوں کے ذہنوں میں ڈالا کیا جا رہا ہے؟

بم دھماکوں اور خود کش حملوں میں ملوث سامنے آنے والے مسلمانوں کے ناموں کے پیچھے اصل حقیقت کیا ہے؟ کیا وہ مسلمان' نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا اقرار کرنے والے تھے بھی کہ نہیں؟ اپنے خسارے کا احساس اب ہو رہا تھا انہیں' اب جبکہ وہ دشمنوں کے جال میں بری طرح جکڑے جا چکے تھے۔

شہناز بیگم گھٹنوں کے درد میں مبتلا ہو گئی تھیں'

جبکہ غلام عباس کو شوگر نے جکڑ لیا۔ وہ شخص اللہ کے محبوب کی حرمت سے منکر ہوا تھا' اس پاک و بے نیاز ذات نے اس مکروہ شخص کو اپنی بے شمار نعمتوں سے ترسا دیا۔ وہ شخص کہ جس نے انتہائی کروفر غلام محمد کو ان کی غربت کا طعنہ دے کر دولت سے علاج کی راہ دکھائی تھی' اب خود اسی دولت سے ہزاروں روپے خرچ کر کے بھی شفا سے محروم تھا۔

ایسی مہر لگی تھی اس شخص کے دل و دماغ پر کہ زبردستی کلمہ پڑھنا بھی چاہتا تو الفاظ زبان پر ہی نہ آتے۔ ساری ساری رات آنکھیں نیند کے لیے ترستیں۔ مگر کئی کئی گولیاں کھانے کے بغیر نیند نہ آتی۔ اسجد سے تو ویسے ہی رابطہ نہ رہا تھا' ولید کی شکل بھی ہفتوں کے بعد دیکھنے کو ملتی' بیٹی تھی تو اسے کوئی ادب لحاظ نہ رہا تھا۔ اپنی مرضی سے کہیں بھی چلی جاتی اور اپنی مرضی سے جب دل چاہتا گھر واپس آتی' روک ٹوک کی اب کچھ بھی کسی کام کا نہیں رہا تھا۔ اللہ رب العزت کی مقرر کردہ حدوں سے نکلنے کے بعد اب آزمائش نہیں' سزا ہی سزا تھی۔ دونوں میاں' بیوی نوکروں کے آسرے پر آ پڑے تھے۔ کیونکہ ندا کو خود اپنے آپ سے فرصت نہیں تھی۔

حالات ابھی اسی نہج پر چل رہے تھے کہ ایک روز ولید کے قتل کی خبر نے ان دونوں میاں' بیوی کے پاؤں تلے سے زمین نکال دی۔ شراب کے نشے میں دھت ولید غلام عباس' ایک کال گرل کے لیے اپنے چند اوباش دوستوں کے ہاتھوں انتہائی ذلت کی موت گلے لگا کر ہمیشہ کے لیے سو گیا تھا۔ ندا کا حال دیکھنے والا تھا۔ مگر وہ دونوں میاں' بیوی یوں چپ تھے جیسے وقت ان کے منہ پر ریت بکھیر گیا ہو۔ اس لمحے اپنے جوان بیٹے کا کٹا پھٹا وجود دیکھ کر بے ساختہ غلام عباس صاحب کے کانوں میں غلام محمد صاحب کی آواز گونجی تھی۔

"اولاد مرد مومن کی سب سے بڑی آزمائش ہے بھائی۔ چاہے تو جنتی بنا دے' چاہے جہنمی۔ میں ان کی چند روزہ خوشیوں کے لیے ان کی دنیا و آخرت کا سودا نہیں کر سکتا۔ غلام محمد کے بچے ہیں یہ۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادنیٰ غلام کے۔ مجھے یقین ہے یہ کبھی دنیا و آخرت میں میری رسوائی کا سبب نہیں بنیں گے۔"

اس کی آنکھیں پتھرائی تھیں' اسے لگا اس کے معصوم بچے اس کا گلا گھونٹ رہے ہوں' اپنی بربادی پر ماتم کر رہے ہوں' وہ چاہتا تو انہیں تباہی کے راستے سے بچا سکتا تھا' مگر اس نے ایسا نہیں چاہا' جوان بیٹے کی ناگہانی موت کا صدمہ شہناز بیگم پر اٹیک کی صورت پڑا تھا۔ اٹیک کے ساتھ فالج نے انہیں کچھ کہنے سننے کا موقع ہی نہ دیا۔ آدھ پون گھنٹہ وہ تڑپتی رہی تھیں۔ انتہائی اذیت کے عالم میں سر ادھر ادھر مارتی رہیں' مگر روح ان کے حلق میں اٹک کر رہ گئی' جانے کون ان پر ترس کھا کر مولوی صاحب کو بلا کر لایا تھا۔ انہیں خبر ہی نہ تھی کہ ان کے پاس کوئی تھا بھی کہ نہیں' مولوی کی مسلسل پڑھائی کے بعد ان کا ذہن اندھیروں میں ڈوب گیا تھا۔ تاہم ان کی چارپائی کے قریب کھڑے غلام عباس کو لگا وہ اب زندگی میں کبھی ایک لفظ بھی نہیں بول سکے گا۔

☼ ☼ ☼

اجالا غلام عباس پر زندگی کے بہت سے راز افشا کرنے کے بعد مصنف علی میر اپنی جون میں واپس لوٹ گیا تھا۔ وہ ہی اس کی آوارہ گردی' وہ ہی ذمہ داریوں سے لاپروائی' وہ ہی رات گئے دوستوں کے ساتھ شراب اور شباب کی محفلیں سجانا۔ اجالا بہت خاموشی سے اس کی سرگرمیاں دیکھ رہی تھی۔ وہ نانو کو بے وقوف بنا سکتا تھا' مگر اسے نہیں۔ اس روز اس نے بہت زیادہ ڈرنک کر رکھی تھی۔ اسی لیے حمزہ اور شاہ میر اسے گھر تک چھوڑنے آئے تھے۔ اجالا جو اس کے انتظار میں جاگ رہی تھی "گاڑی رکنے' پھر گیٹ کھلنے کی آواز پر اٹھ بیٹھی' تاہم جس وقت وہ لاؤنج میں حمزہ اور شاہ میر کے سہارے آیا وہ گویا پتھر ہو گئی۔ وہ دونوں مصنف کو اس کے بیڈ روم میں چھوڑنے کے بعد اجالا کے پاس رکے تھے' جو سہمی کھڑی تھی۔ حمزہ کی

نظریں جھکی ہوئی تھیں' جبکہ شاہ میر سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

"آئی ایم سوری بھابھی' ہمارے لاکھ منع کرنے کے باوجود آج مصحف نے ضرورت سے زیادہ ڈرنک کرلی ہے' اسی لیے اسے یہاں چھوڑنے آنا پڑا' میں جانتا ہوں آپ کا دل حمزہ اور شہریار کی طرف سے بہت خراب ہے۔ تاہم میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ دونوں آپ سے بہت شرمندہ ہیں' خود مصحف نے بھی انہیں اپنی غلطی کے احساس کے بعد معاف کیا ہے' پلیز آپ بھی انہیں معاف کردیجیے۔ اب یہ محض مصحف کے دوست نہیں' آپ کے بھائی بھی ہیں۔"

وہ شاید کچھ اور بھی کہہ رہا تھا' مگر اس وقت اجالا کو کچھ سنائی دے رہا تھا نہ کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں لمحوں میں برف کی مانند سرد ہوگئے تھے۔ اس کی حالت کا احساس کرکے ہی شاہ میر نے حمزہ کی طرف دیکھا اور پھر بنا مزید ایک لفظ بھی کہے دونوں وہاں سے چلے گئے۔

اجالا تقریباً" آدھے گھنٹے بعد خود کو حرکت دینے کے قابل ہوئی تو مصحف کے بیڈ روم میں چلی آئی' وہ بیڈ پر مدہوش پڑا سارے عالم سے بے خبر دکھائی دے رہا تھا۔ اجالا کا دل اس لمحے جانے کیوں سینے میں بہت تیز دھڑک رہا تھا۔ وہ آہستہ سے جھکی اور مصحف کے پاؤں کو جوتوں کی قید سے آزاد کردیا۔ کتنا خوبرو شخص تھا وہ۔ مگر خود کو ضائع کررہا تھا۔ کتنا قریبی رشتہ تھا اس کا اس کے ساتھ۔ مگر۔ وہ اس کے کسی کام کی نہیں تھی۔

وہ ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا اور اس لمحے اجالا اس کے بازو پر اپنی وجہ سے لگنے والے زخم کی گہرائی بخوبی دیکھ سکتی تھی۔ یہ وہ شخص تھا جس نے اس کی جان ہی نہیں عزت بھی بچائی تھی۔ نا صرف اس کا اعتبار کیا تھا بلکہ اسے اپنا نام دے کر معتبر بھی کردیا تھا۔ یہ ہی شخص تھا جس نے خود برائی مول لے کر نانو کے سامنے اس کے جھوٹ کا بھرم رکھا تھا' ورنہ وہ کہیں کی نہ رہتی۔ کتنے احسان تھے اس شخص کے اس پر۔ وہ دوبارہ جھکی تھی اور اس کا ہاتھ تھام کر رو پڑی تھی۔

"کاش۔ کاش امجد غلام عباس کے پاس بھی تمہارے جیسا دل اور یقین ہوتا میرے محسن۔ اے کاش۔" اسے پتا ہی نہ چلا کہ اس کے آنسو مصحف علی میر کے ہاتھ کو بھگو رہے ہیں۔ صبح جب وہ بے دار ہوا تو اجالا اس کے کمرے میں نہیں تھی۔ البتہ اس کے کپڑے پریس شدہ حالت میں ہینگ تھے۔ وہ ابھی اٹھنے کا قصد کر رہا تھا کہ وہ کمرے میں چلی آئی۔

"السلام علیکم۔ صبح بخیر۔"

"وعلیکم السلام۔" چونک کر اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھتا وہ قدرے حیران ہوا تھا۔ جب وہ بولی۔

"اللہ کا شکر ہے کہ آپ اٹھ گئے' نانو کب سے آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

"کیوں۔ خیریت؟"

"پتا نہیں۔ یہ تو نانو ہی بتا سکیں گی' آپ جلدی سے ہاتھ لے لیجیے۔ پھر میں ناشتا لاتی ہوں' اور ہاں ناشتے میں کیا لیں گے' بیرٹ' برانڈی یا پھر وہسکی۔"

"واٹ؟" وہ آج اسے یکسر بدلے انداز کے ساتھ اسے حیران کر رہی تھی۔ اجالا مسکرادی۔

"واٹ کیا؟ آپ کی تو فیورٹ ہے یہ۔ مجھے تو کل رات پتا چلا کہ یہ کتنے مزے کی چیز ہے۔ آج کے بعد پلیز میرے لیے بھی لے کر آیا کریں' ایک دو ٹل مل کر پئیں گے۔"

"شٹ اپ۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کیوں شٹ اپ' آپ پی سکتے ہیں' میں نہیں پی سکتی؟ میں بھی پیوں گی اب' بلکہ نانو کو بھی پلاؤں گی۔"

"میں کھال کھینچ لوں گا تمہاری اگر تم نے ان کو بھنک بھی پڑنے دی۔" بے زار ہو کر وارڈ روب کی طرف پلٹ گیا تھا۔

"آج آپ یہ وائٹ سوٹ ہرگز نہیں پہنیں گے' بالکل بھی اچھا نہیں لگتا' یہ بلیک والا پہن لیں نا پلیز۔" وہ پھرتی سے پھر اس کے مقابل آئی تھی۔ مصحف نے ایک نظر دونوں ڈریسز پر ڈالی پھر وائٹ والا سوٹ اٹھا لیا۔

"تمہارے حکم اور مرضی کا غلام نہیں ہوں میں۔" اگلے ہی پل اسے جتاتے ہوئے وہ واش روم میں گھس گیا تھا۔ اجالا اپنی چالاکی اور اس کی بے وقوفی پر دل کھول کر ہنسی۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز وہ ابھی شاہ میر کے گھر سے آیا تھا کہ نانو کے حضور اس کی پیشی لگ گئی۔ اجالا بڑے مزے سے ان کی پشت پر کھڑی ان کے بالوں میں مساج کر رہی تھی۔ وہ سرسری سی ایک نظر اس پر ڈالتا مجبوراً" وہیں چلا آیا۔

"السلام علیکم نانو۔"

"وعلیکم السلام۔" نانو کے تیور خطرناک تھے۔ وہ پھر اجالا کو دیکھتا ان کے قریب ہو بیٹھا۔

"کیا بات ہے نانو' کل پرسوں سے ناراض ناراض سی لگ رہی ہیں۔"

"میں کیوں ہونے لگی تم سے ناراض' میرا کیا واسطہ ہے تم سے؟" نانو بھری بیٹھی تھیں۔ مصحف کو زور کا جھٹکا لگا۔

"ارے۔ ایسا کیا کردیا میں نے جو آپ نے سارے واسطے ہی ختم کردیے؟"

"ہاں تم کیا کرو گے؟ تیس سے اوپر کے ہوگئے ہو ابھی تک لڑکے بالوں والی حرکتیں نہیں گئیں تمہاری' میں تو بے کار پرندہ ہوں' مجھے تو چھوڑو' مگر بیوی کا خیال تو کرو۔۔۔۔ رات گئے تک تمہارا انتظار کرتی رہتی ہے۔ ادھر فیکٹری میں نقصان پر نقصان ہورہا ہے۔ مگر تمہاری جوتی کو پروا نہیں' سوچ کیا رکھا ہے تم نے آخر؟" وہ اس پر الٹ پڑی تھیں۔ مصحف انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

"آج میں ہوں' گھر کا نظام چل رہا ہے' کل آنکھیں بند ہوجائیں گی تو کیا بھوکے مرو گے؟ آنے والے بچوں کا کیا ہوگا' کیا بھیک منگواؤ گے ان سے؟ یا انہیں بھی اپنی طرح آوارہ گرد بنا کر دوسروں کو کھلاؤ گے؟" غصے نے نانو کا چہرہ غضب ناک کردیا تھا۔ وہ ایک لفظ نہ کہہ سکا۔ نانو زندگی میں پہلی بار اس پر یوں غصہ ہوئی تھیں۔

"آئی ایم سوری نانو۔" بہت دیر خاموشی کے بعد وہ بس یہ ہی کہہ سکا تھا۔ اجالا نے لب دبا کر اپنی مسکراہٹ کا گلا گھونٹ دیا۔ وہ کمرے میں آیا تو وہ اس کے پیچھے ہی چلی آئی۔

"نانو کی باتوں کو دل پر مت لیجیے گا۔ اصل میں آج کل ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تو مزاج تھوڑا چڑچڑا ہوگیا ہے۔ انہیں کیا پتا یہ ہی تو عمر ہے زندگی کو انجوائے کرنے کی' جہاں تک فیکٹری کی بات ہے تو وہ میں جوائن کرلوں گی' اب آپ میں یا مجھ میں کوئی فرق تھوڑی ہے۔" کتنی بے تکلفی سے وہ بیڈ پر اس کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ مصحف کھا جانے والی نگاہوں سے اسے دیکھتا رخ پھیر گیا تھا۔

"اور جہاں تک بچوں کی بات ہے تو۔ وہ تو ہم ہونے ہی نہیں دیں گے' سو آپ ان کی بھی فکر مت کریں' مجھے تو اتنا اچھا لگتا ہے سارے دن گھر میں آزاد رہنا۔"

"تم چپ کرتی ہو یا میں کھڑکی سے اٹھا کر پھینک دوں باہر؟" اچانک وہ دھاڑا تھا۔ اجالا بمشکل ہنسی ضبط کرتی خاموش ہو بیٹھی۔

"کھانا لاؤں آپ کے لیے؟" تھوڑی دیر بعد پھر اس کی زبان میں کھجلی ہوئی تھی۔ وہ چپ بیٹھا رہا تب ہی وہ سنجیدہ ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے۔۔۔ آپ پریشان دکھائی دے رہے ہیں؟"

"کوئی بات نہیں ہے' تم جاؤ یہاں سے' پلیز۔"

"کیوں جاؤں؟ اگر یہ آپ کا کمرہ ہے تو میرا بھی کمرہ ہے۔"

"تمہارا کمرہ نہیں ہے یہ' انجام جانتی ہو اس کمرے میں سونے کا؟" اچانک دھاڑ کر وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ اجالا بے ساختہ نظر چرا گئی۔

"مت اتنا آزماؤ مجھے کہ ٹوٹ کر بکھر جاؤں' جب یہ

طے ہے کہ تمہیں یہاں سے جانا ہے تو مت عادی بناؤ اس گھر کے مکینوں کو اپنا‘ جو تعلق کاغذی ہے اسے کاغذی ہی رہنے دو‘ بہت سادہ دل بہت بھولی ہیں میری نانو‘ انہیں مزید بے وقوف مت بناؤ‘ خدا کا واسطہ ہے تمہیں۔“ وہ چیخ گیا تھا۔ اجالا جھکا سر اٹھا کر ایک نظر اس پر ڈالتی‘ وہیں اس کے قدموں میں بیٹھ گئی تھی۔

”میں جانتی ہوں‘ میری وجہ سے آپ بہت اذیت سے گزر رہے ہیں؟ اور میں یہ بھی مانتی ہوں کہ میں نے کسی طور ایسا نہیں چاہا تھا جو ہو گیا۔ مگر... میں آپ پر واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ مجھے اب یہاں سے کہیں نہیں جانا‘ اس گھر میں میرے لیے کوئی جگہ ہو یا نہ ہو مگر اس گھر سے میں مرنے کے بعد ہی جاؤں گی‘ یہ یاد رکھیے گا۔“

”ہونہہ‘ کسے بہلا رہی ہو‘ مجھے یا اپنے آپ کو‘ ابھی تمہارا اسجد غلام عباس مل جائے تو پھر...“

”پھر بھی نہیں جاؤں گی۔“ اس کا دل ایک لمحے کے لیے ٹھہرا تھا۔ مگر اس نے دل کی پروا نہ کرتے ہوئے جیسے فیصلہ کر لیا تھا۔ مصحف نے سر جھٹک کر اس کی بات کو ہنسی میں اڑایا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس روز موسم صبح سے ہی خاصا گرم تھا۔ اجالا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی سو نانو نے اسے زبردستی مصحف کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس بھیج دیا تھا۔ ڈاکٹر سے فارغ ہو کر وہ نانو کی ہدایت پر مارکیٹ چلی آئی تھی اور یہیں مصحف نے اسے بتایا تھا۔

”شہریار کی شادی ہو رہی ہے‘ میں کچھ روز تک گھر نہیں آسکوں گا‘ اس کا اصرار ہے کہ تم سگی بہن کی طرح اس کی شادی میں شرکت کرو‘ کیونکہ اس کی اپنی کوئی بہن نہیں ہے‘ شاہ میر اور حمزہ بھی تم سے بہت شرمندہ ہیں‘ بلکہ حمزہ تو آج شام کی فلائٹ سے ہی باہر جا رہا تھا۔ میں نے اور شہریار نے زبردستی روکا ہے۔ بہرحال اگر تم ان سب کو معاف کرنے کا حوصلہ رکھو تو میرے ساتھ چلنا‘ انہیں بہت خوشی ہوگی‘ بصورت دیگر تم پر کوئی دباؤ نہیں ہے۔“ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی‘ مصحف کی اطلاع کے بعد اسے دیکھنے لگی۔

”ٹھیک ہے میں چلوں گی آپ کے ساتھ‘ مگر نانو...“

”وہ بھی ساتھ ہی چلیں گی‘ بچپن سے ایک دوسرے کے گھروں میں آنے جانے اور رہنے کی عادت ہے ہمیں۔“

”نانو کے بچپن سے؟“ وہ ہنسی تھی۔ مصحف نے ایک نظر اسے دیکھنے کے بعد پھر رخ پھیر لیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ پتھری ہو گیا ہو۔

شہریار اور اس کی ہونے والی بیوی کے لیے بہت سی چیزیں خریدنے کے بعد وہ گھر واپس لوٹے تو دونوں کا ہی تھکن سے برا حال تھا۔ اسی روز شام میں وہ مصحف کے ساتھ جانے کے لیے ہلکی پھلکی سی تیاری کے ساتھ کمرے سے نکلی تو وہ جو نانو کے ساتھ باتوں میں مگن تھا ایک دم سے ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگا۔

”اچھی لگ رہی ہوں نا نانو۔“ اس کی محویت پر شرارت سے مسکراتی وہ نانو پر جھکی تو مصحف نے جلدی سے نظر پھیر لی‘ راستے میں وہ اسے بتا رہا تھا۔

”تمہیں شاید خبر نہ ہو‘ مگر مجھے ابھی کچھ روز پہلے پتا چلا ہے‘ غلام عباس کی سیکنڈ وائف کی [illegible] اور اس کا جو چھوٹا بیٹا تھا ولید [illegible] کال گرل کے لیے قتل کر دیا‘ بیٹی بھی [illegible] فرار ہو گئی‘ کچھ نہیں رہا اس [illegible] سوائے پچھتاووں اور خاموشی کے۔“ [illegible] اور اجالا کو لگ رہا تھا جیسے اس کا سارا وجود [illegible] ہو‘ پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ وہ [illegible] سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اتنی جلدی [illegible] کا حساب کلیئر کر دیا تھا اللہ نے؟ اتنی جلدی [illegible] نقصان کا بھید کھول دیا تھا اس پر‘ اسے پتا ہی نہ چلا کہ کب آنسو اس کے گالوں پر پھسل پڑے۔ نانو اب مصحف سے کچھ کہہ رہی تھیں مگر اجالا کو لگا جیسے اس کا دماغ سن ہو گیا ہو۔

شہریار کے گھر اس کا خاصا شاندار استقبال ہوا تھا۔ حمزہ اور شاہ میر بھی وہیں تھے۔ وہ سن اعصاب کے

ساتھ چپ چاپ سی نانو کے ساتھ ہی جڑی رہی‘ شہریار‘ شاہ میر اور حمزہ بار بار آ کر اسے تنگ کر رہے تھے۔ مگر وہ ان کی شرارتوں پر جواباً مسکرا بھی نہ سکی۔ تب ہی حمزہ نے مصحف سے کہا تھا۔

”لگتا ہے بھابھی نے ابھی تک ہمیں معاف نہیں کیا ہے۔“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے یار‘ وہ اصل میں بہت اپ سیٹ ہے۔“

”چلو تم کہتے ہو تو مان لیتے ہیں ویسے تم ہو بہت خوش نصیب‘ کیونکہ تمہیں وہ لڑکی ملی ہے‘ جس کے چہرے پر کسی فیشل‘ کسی میک اپ کی چمک نہیں‘ بلکہ ایمان کا نور ہے‘ اور میں جانتا ہوں اس کی صحبت میں بہت جلد تم بہت اچھے انسان بن جاؤ گے۔“

”بن گیا ہوں یار‘ اب اور کیا بننا ہے۔“ ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اس نے ترچھی نظر سے نانو کے ساتھ جڑی بیٹھی اجالا کو دیکھا تھا‘ حمزہ مسکرا دیا۔ رات وہ عشاء کی نماز سے فارغ ہوئی تو شہریار پھر اس کے پاس چلا آیا۔

”بھابھی... وہ آپ کا بستر مصحف کے کمرے میں لگتا ہے یا...“

”میں نانو کے ساتھ سوؤں گی۔“ شہریار کی بات پوری ہونے سے پہلے وہ بول پڑی تھی۔ وہ مسکرا کر رہ گیا۔ اگلے روز وہ قدرے فریش تھی‘ مصحف بیدار ہو کر نانو کے پاس آیا تو وہ ان کی گود میں سر رکھے لیٹی ان کی ہدایتیں سن رہی تھی‘ وہ بھی پاس آ کر بیٹھ گیا۔

”نانو... یہ زیادتی ہے‘ بیوی میری اور قبضہ آپ کا۔“

”خود کو بیوی کے قابل بناؤ‘ پھر شکوہ کرنا۔“ نانو کے آج کل مزاج ہی بدلے ہوئے تھے‘ وہ تڑپ اٹھا۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟ فیکٹری جانے لگا ہوں‘ دوست یار سب چھوڑ دیے‘ شام ڈھلتے ہی گھر کی راہ لیتا ہوں‘ ابھی بھی قابل نہیں؟“

”اپنے آپ سے پوچھو یہ سوال۔“

”آپ بدل گئی ہیں نانو‘ مجھے پتا ہے اس ساحرہ نے تعویذ پلا کر انہیں اپنا ہمنوا بنا لیا ہے‘ آپ کو ماں باپ تو چھین ہی گئے‘ مجھ سے نانو بھی میری نہیں رہیں۔“ اس کا انداز ایسا تھا کہ اجالا کی ہنسی نکل گئی۔

”دیکھ لوں گا میں تمہیں‘ ذرا ہاتھ لگو بس میرے۔“ [illegible] سے دھمکا رہا تھا۔ وہ ہنستی گئی۔

رات مہندی کا فنکشن تھا‘ نانو کی فرمائش پر خواہش نہ ہونے کے باوجود وہ بہت اچھی طرح سے تیار ہوئی تھی‘ سی گرین کلر مصحف کا فیورٹ تھا‘ اس نے وہی پہنا‘ جبکہ خود مصحف رف حلیے میں ہی پھر رہا تھا۔ اجالا نے پہلی بار اسے دل کی نظر سے دیکھا تھا۔ وہ وہاں موجود سب مردوں میں سب سے زیادہ حسین اور وجیہہ تھا۔ رف حلیے میں بھی اس کی شخصیت بہت سی لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی‘ شہریار کو مہندی لگ رہی تھی اور وہ اس کے برابر میں بیٹھا سب سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھا۔

اچانک کچھ سوچ کر اجالا کا سکون جیسے رخصت ہو گیا۔ اس نے اسجد کو کھویا تھا‘ کھونے کی اذیت‘ عجیب سی تکلیف اس کے لیے غیر شناسا نہیں تھی مگر ـــــ سب کچھ کھو کر... جو کچھ اس نے اللہ کی کرم نوازی سے پایا تھا اب اس سے بھی ہاتھ دھو لینے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے کہ کوئی ہمیشہ کے لیے صرف اسی کا ہو کر رہے‘ مگر اس کا یہ بھی ایمان تھا کہ اگر وہ پورے خلوص اور یقین کے ساتھ اپنے رب‘ اپنے اللہ کے سامنے جھکتی ہے اور اس سے مصحف علی میر کا دائمی ساتھ مانگتی ہے تو اس بادشاہوں کے بادشاہ‘ اس کائنات کے واحد و یکتا‘ خالق و مالک کے کرم سے‘ وہ شخص زندگی بھر کسی اور چہرے کو نہیں دیکھے گا‘ اگر دیکھے گا بھی تو اس کی نگاہ میں وہ پسندیدگی نہیں ہوگی جو دل کو بے ایمان کر دے۔

ایک دم سے اس کا دل محفل سے اچاٹ ہو گیا تھا‘ بہت چپکے سے وہ اٹھی تھی اور نانو کو بتا کر اندر کمرے میں چلی گئی۔ عشاء کی نماز کا وقت نکل رہا تھا۔ اس نے کپڑے تبدیل کیے اور سکون سے وضو کر کے اپنے

مالک کے حضور آکھڑی ہوئی' نماز کے دوران اس کے ذہن سے جیسے سب نکل گیا تھا' اگر کچھ رہا تھا تو صرف اپنی نجات اور اپنے بابا کی سلامتی۔ نماز کے بعد کتنی ہی دیر تک وہ ہاتھ پھیلائے خاموش روتی رہی۔ سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ اپنے مالک سے کیا مانگے اور کیسے مانگے۔؟ ادھر مصحف کچھ دیر تو اس کے نظر نہ آنے پر بے چینی سے پہلو بدلتا رہا' بعد ازاں رہا نہ گیا تو اٹھ کر نانو کے پاس چلا گیا۔

"نانو اجالا کہاں ہے۔ دکھائی نہیں دے رہی۔"

"اندر کمرے میں گئی ہے نماز پڑھنے۔"

"اوہ۔ ایک تو یہ لڑکی بھی نا۔ لگتا ہے کسی مولانا کی روح سما گئی ہے اس میں' جب دیکھو مصلے پر ہی بیٹھی ہوتی ہے۔" وہ چڑا تھا۔ نانو اسے گھور کر رہ گئیں۔

"تمہیں توفیق نہیں ہوتی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں پر بھی اعتراض کرو۔"

"میری یہ مجال کہاں اب تو اس نے آپ کو بھی لگالیا ہے نماز روزے پر' آپ تو سائیڈ لیں گی نا۔" جل کر وہ پلٹا تھا۔

نانو دل ہی دل میں مسکراتی دوبارہ ساتھ والی آنٹی سے باتوں میں مشغول ہو گئیں۔

اجالا غلام محمد واقعی گلاب تھی' جس کی خوشبو سے ان کا گھر مہک اٹھا تھا' اگر وہ سگریٹ ثابت ہوتی تو شاید ان کے ساتھ ساتھ مصحف کی زندگی میں بھی دھواں بھر جاتا' واقعی ہر چیز اثر ڈالتی ہے ہر چیز کی صحبت کا اثر پڑتا ہے۔ مصحف جس وقت دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا' وہ سارے عالم سے بے نیاز' مصلے پر بیٹھی' آنکھیں بند کیے روئے جارہی تھی اور اس کے لب بار بار ایک ہی دعا کر رہے تھے۔

"مجھ پر رحم کر میرے مولا۔ میرے شوہر کو میرا ہی رکھنا۔۔۔ اب کچھ بھی کھونے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔ مجھ گناہ گار کو رشتوں کی آزمائش سے بچالے۔"

وہ ٹھٹکا تھا اور اس کایا پلٹ پر حیران رہ گیا تھا۔ کہاں تو وہ کسی اور کی محبت کے دعوے [illegible] رہی تھی اور کہاں

اب۔۔۔ وہ پلٹا تھا اور وہیں کمرے کے باہر سیڑھیوں پر بیٹھ گیا تھا۔ پچھلے چند دنوں سے اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ ساری سرگرمیاں جو اس کی بہترین وقت گزاری کا باعث تھیں۔ بے کار ہو کر رہ گئی تھیں' ایک عجیب سی بے سکونی نے دل و دماغ کو جیسے جکڑ لیا تھا۔ شاہ میر کی نظر اس پر پڑی تھی اور وہ اسے کھینچ کر زبردستی پھر مہندی کے پنڈال میں لے گیا تھا۔ اجالا نماز سے فارغ ہو کر نیچے آئی تو وہ دوستوں میں گھرا' ہلکا پھلکا ڈانس کر رہا تھا' وہ کچھ دیر اسے دیکھتی جانے کن کن سوچوں میں کھوئی رہی۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز بارات جانی تھی' شہریار کی مما نے اجالا کو سچ مچ شہریار کی بہن بنا کر اس سے بہنوں والے سارے کام لیے تھے۔ وہ اتنی مصروف تھی کہ اسے مصحف کی تیاری میں اسے مدد دینے کا وقت بھی نہیں مل سکا تھا۔ جس پر وہ اس سے ناراض تھا۔

بارات مقررہ وقت پر ہوٹل پہنچی تھی' نانو گھر پر ہی رہ گئی تھیں' جبکہ اجالا شہریار کی مما کے ساتھ ساتھ تھی' مصحف خفا خفا سا شہریار اور بقیہ دوستوں کے ساتھ ہی اسٹیج پر بیٹھ گیا تھا جس کا اسپیشل انتظام کیا گیا تھا' جبکہ وہ نیچے تھی۔

دلہن اور دلہا کا نکاح ہو گیا تھا۔ ہر طرف رنگا رنگ قہقہے تھے' وہ دوپٹہ ٹھیک [illegible] رہی تھی جب ساکت رہ گئی۔ وہاں اس سے [illegible] قدموں کے فاصلے پر کھڑا وہ شخص [illegible] "اسجد غلام عباس تھا" وہ اسجد غلام عباس [illegible] اس کے جینے کا سبب تھا۔ سادہ [illegible] بوس اس وقت وہ ایک چھوٹے سے [illegible] ہاتھوں میں لیے کھڑا تھا اور اس کی نگاہیں اپنے پاس کھڑی ایک خوش شکل سی لڑکی کے میک اپ میں رنگے چہرے کو دیکھ کر چمک رہی تھیں۔ شہریار کی مما کی ان سے بے تکلفی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ "خاص مہمان" تھے یہ تو اسے بعد میں پتا چلا تھا کہ شہریار کی دلہن اور اسجد کی ماڈرن بیوی دونوں آپس میں بہنیں

تھیں۔

وہ شخص جو اس کے لیے زندگی کی مثال تھا' اس نے اس کا انتظار نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی دنیا میں خوش اور مگن تھا اور وہ۔۔۔ وہ کیا سے کیا ہو کر رہ گئی تھی اس کے لیے۔۔۔؟ اسے لگا شاید وہ زیادہ دیر تک اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں رہ سکے گی' تبھی اس نے پاس پڑی کرسی کو تھاما تھا۔ مصحف جو اسٹیج پر مصروف تھا' اچانک اس کی نگاہ اس پر پڑی تھی اور وہ لپک کر پاس آیا تھا۔

"تم ٹھیک ہو نا اجالا۔"

"پتا نہیں۔" اپنے کندھوں کے گرد اس کے مضبوط بازوؤں کا سہارا پا کر وہ [illegible] تھی' مصحف نے دیکھا اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

"کیا ہوا [illegible] نے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں [illegible]" کتنا پریشان ہو گیا تھا وہ اس کے لیے' اجالا چاہ کے بھی خود کو نارمل نہ رکھ سکی۔

"گھر چلو۔۔۔ شاید گیدرنگ کی وجہ سے بی پی لو ہو گیا ہے۔" فوری فیصلہ کرتے ہوئے وہ اسے سہارا دے کر وہاں سے نکال لایا تھا۔ اجالا کے ہاتھ اور پورا جسم جیسے برف ہو رہا تھا۔ مصحف کی جان پر بن گئی۔ باہر گاڑی میں کچھ پل اس کے ہاتھ مسلنے کے بعد وہ اسے ہوسپٹل لے آیا تھا اور وہیں سے فون کر کے اس نے شہریار کی مما سے معذرت کر لی تھی۔

رات گئے تک اجالا کی طبیعت قدرے بہتر ہوئی تو وہ اسے لے کر گھر واپس لوٹا' نانو کو بھی اس نے فون پر بتا دیا تھا اور اب وہ پہلی فرصت میں گھر واپسی کے لیے پر تول رہی تھیں کہ اجالا میں تو خود ان کی بھی جان تھی مگر شہریار کی مما نے انہیں زبردستی رات کے لیے روک لیا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے۔؟" جونہی وہ بیڈ پر اٹھ کر بیٹھی' مصحف بے تابی سے پاس چلا آیا۔

"ٹھیک ہوں۔ بس سر چکرا رہا ہے۔ آپ وضو کروا دیں گے مجھے۔"

"شٹ اپ یار۔ آنکھیں کھل نہیں رہیں' سر چکرا رہا ہے اور تمہیں وضو کی پڑی ہے۔"

"ہاں۔ جان سولی پر کیوں نہ لٹکی ہو میں نماز نہیں چھوڑ سکتی۔ بہت مشکل سے پایا ہے اپنے رب کو۔ آپ چاہتے ہیں ایک معمولی سی آزمائش پر پھر اسے چھوڑ دوں۔ غافل ہو جاؤں اس سے اس کے حقوق سے۔"

"اس کے حقوق کی بہت فکر ہے' جبکہ کائنات میں اس سے بڑھ کر معاف کرنے والا کوئی نہیں مگر اس کے بندوں کے حقوق کی کوئی پروا نہیں۔" وہ اب گلہ کر رہا تھا' اجالا نظر چرا گئی۔

"بخار ہو رہا ہے تمہیں۔ صبح پڑھ لینا اکٹھی' پلیز۔"

"نہیں' مختصر پڑھ لیتی ہوں' نہیں تو ساری رات سو نہیں سکوں گی۔"

"بہت ضدی ہو تم۔ میری کوئی بات نہ ماننے کی تو ویسے بھی قسم کھا رکھی ہے تم نے۔"

"غلط بات کہیں گے تو کیسے مان سکتی ہوں' آپ کی جگہ میرے ابا جی ہوتے تو بھی نہ کہتے کہ نماز مت پڑھو' چاہے میری جان ہی کیوں نہ نکل رہی ہوتی۔"

"ٹھیک ہے۔ کرو جو دل میں آتا ہے' نماز پڑھتے ہوئے اگر گر پڑیں تو میں اٹھانے نہیں آؤں گا' خوامخواہ اتنا اچھا فنکشن چھوڑ کر یہاں آیا تمہارے ساتھ۔" وہ جلا تھا۔ اجالا چاہ کر بھی خود کو ہنسنے سے باز نہ رکھ سکی۔ نماز پڑھ کر وہ بستر پر آئی تو مصحف اس کی طرف دیکھنے کا بھی روادار نہیں تھا۔

"آپ بھی کبھی نماز پڑھ لیا کریں' پھر دیکھیے گا' کتنی جلدی سکون کی نیند آتی ہے۔"

"تم نے پڑھ لی ہے نا کافی ہے۔" وہ جلا بیٹھا تھا۔ اجالا اس کے پہلو میں ٹک گئی۔

"کافی نہیں ہے۔۔۔ نماز ہی تو ہماری پہچان ہے مصحف۔۔۔ نماز سے ہی تو پتا چلتا ہے کہ ہم اپنے اللہ کے عاجز و فرماں بردار بندے ہیں' محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت پر چلنے والے ان کے غلام ہیں' نماز ہی تو ہے جو ہمیں اپنے رب کے قریب لاتی ہے' جب جب کوئی ہمارے ساتھ نہیں ہوتا' جب ہمیں کہیں

http://www.pakurduplace.com

سے امان نہیں ملتی' تب' تب نماز ہی تو کام آتی ہے ہمارے۔"

"تمہارا تبلیغ کا پروگرام ہے آج ---؟" وہ اس کے پاس آنے پر ذرا سا نرم پڑا تھا۔ اجالا نفی میں سر ہلا کر پلکیں موند گئی۔ دواؤں کے اثر سے اس کی پلکیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ مصحف بے تاب سا اس کے ہاتھ تھامے بیٹھا رہا۔ رات میں اس کا بخار کم ہونے کی بجائے مزید بڑھ گیا تھا' حلق خشک تھا اور بدن یوں ٹوٹ رہا تھا کہ نرم بستر پر ایک ہی کروٹ سے سونا بھی محال ہو گیا تھا' بہت بے بس ہو کر اس نے مصحف کا بازو تھاما تھا' جس کی ابھی کچھ ہی دیر پہلے آنکھ لگی تھی۔

"پانی۔" بہت بے بس پکار تھی' مگر وہ فوراً" اٹھا اور پانی لے کر آیا۔ اجالا نے ایک ہی گھونٹ لے کر منہ موڑ لیا۔

"بخار بہت تیز ہو گیا ہے اجالا' میں کسی ڈاکٹر کا پتا کرتا ہوں۔"

"نہیں۔ بس آپ میرے پاس رہیں پلیز۔"

"بہت اسٹوپڈ لڑکی ہو تم قسم سے۔" وہ جھنجلایا تھا۔ اجالا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا مصحف میں اس شادی سے خوش نہیں ہوں' کیونکہ ---- کیونکہ میں کسی اور کو چاہتی ہوں۔ بکواس کی تھی میں نے۔ بچپنا تھا وہ میرا --- میرے اللہ نے آپ سے بہتر لکھا تھا میری قسمت میں' پھر وہ کیسے مل جاتا مجھے۔"

"یہ بات اس وقت کیوں یاد آ گئی۔؟" وہ سمجھ نہیں سکا تھا۔ اجالا نے آنکھیں بند کر لیں۔

"بس یونہی ---- میں سوچ رہی تھی نانو کو ساری حقیقت بتا دوں اور پھر ان سے کہوں کہ جہاں آپ چاہتے تھے وہ وہاں آپ کی شادی کر دیں۔"

"سوچ تو بہت اچھی ہے مگر پھر تمہارا کیا بنے گا۔"

"کچھ نہیں۔ میں اپنے ابا جی کے پاس رہ کر ان کی خدمت کروں گی۔"

"مگر تم نے تو کہا تھا تمہارا دنیا میں کوئی نہیں۔" اب وہ اسے تنگ کر رہا تھا۔ وہ اٹھ بیٹھی۔

"ہاں۔ بس ایک ابا جی ہیں' وہ بھی سمندر پار۔"

"چلو پھر ابا جی کو واپس آنے دو' تب تک میں ایک ہی بیوی سے گزارا کر لوں گا۔"

شرارت سے کہتے ہوئے اس نے پھر اسے اپنے برابر میں گرا لیا تھا۔

"ویسے فرض کرو۔ اس رات جب تم بھاگ کر آئیں اور جس طرح سے تم نے بنا سوچے مجھے ایک اجنبی گھر میں پناہ لی۔ اس وقت اگر تمہارے ساتھ بہت کچھ غلط ہو جاتا تو؟"

"ہو سکتا تھا۔ بہت سی لڑکیوں کے ساتھ ہوتا ہے' ہر جگہ ہر کسی کو مصحف علی میر ملے یہ ضروری نہیں' مگر --- اس وقت تو مجھے صرف اپنی عزت کی پروا تھی' وہ میری عزت چھین کر پھر موت کے گھاٹ اتارتے مجھے' اور یہ مجھے کسی طور گوارہ نہیں تھا' ایسی حالت میں اپنے رب کے پاس جانے کا تصور ہی نہیں تھا میرے پاس۔ اسی لیے اگر سامنے سمندر بھی بچاؤ کے لیے ہوتا تو میں اس میں کود جاتی' بنا جان کی پروا کیے۔"

"اور اگر اس وقت جس حال میں ہم لوگ بیٹھے تھے' ہمارے ہی ہاتھوں' تمہاری عزت چلی جاتی تو --؟"

"مجھے اپنے رب پر یقین تھا' جس [illegible] ہستی نے تین دن ایک اوباش کے [illegible] ہونے کے باوجود مجھے پاک رکھا' وہ [illegible] میری عزت کی حفاظت کرتا' بس [illegible] تھی اور وہی میں نے کی۔"

"ہاں --- [illegible] اجالا' میں کتنا اوباش ہوں' دنیا کا کون سا [illegible] نہیں ہے جو میں نے نہ کیا ہو' تم [illegible] میں اتنا ہی غلیظ شخص ہوں' اسی لیے تو [illegible] تم سے' نانو سے' کہ کہیں میرے جسم سے [illegible] سرائنڈ تم دونوں پر میری حقیقت نہ کھول دے' میری سمجھ میں نہیں آتا اجالا کہ جب مومن مرد کے لیے مومن عورت اور بدکار مرد کے لیے بدکار عورت ہے تو مجھے کیسے مل گئیں۔"

"اس میں بھی میرے اللہ کی کوئی حکمت ہو گی' ہو سکتا ہے آپ نے کوئی ایسی نیکی کی ہو جس کے

صدقے اللہ نے مجھے آپ کی زندگی سنوارنے کے لیے بھیج دیا ہو۔"

وہ اب مسکرا رہی تھی' مصحف نے اسے اور قریب کر لیا۔

"پھر سنوار دو نا یار --- اب تو سب کچھ جنون [illegible] ہے۔" اس کے انداز بدلے تھے اور اجالا حقیقی معنوں میں پہلی بار گھبرا گئی تھی۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہو جائے گی --- تم تو جانتی ہی ہو گی شوہر کے کتنے حقوق ہیں بیوی پر۔" وہ کچھ سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اجالا [illegible] کے سامنے شکست تسلیم کرنی پڑی تھی۔

"ابا جی ---" اس روز وہ ضد کر کے مصحف کے ساتھ فیکٹری جا رہی تھی جب راستے میں اس کی نگاہ غلام محمد صاحب پر پڑی تھی' نورانی چہرے کے ساتھ' وہ چھڑی کے سہارے' تنہا کہیں جا رہے تھے --- وہ تڑپ اٹھی۔

"مصحف ---- وہ --- وہ میرے ابا جی۔ پلیز گاڑی روکیں' مجھے ان سے ملنا ہے۔"

وہ چونکا تھا اور فوراً" بریک لگائی۔ اجالا گاڑی رکتے ہی بچوں کی طرح بے تابی سے باہر نکلنے لگی تھی جب اس نے ہاتھ پکڑ لیا۔

"اگر انہوں نے مجھ سے تمہاری شادی کو پسند نہ کیا تو کیا تم مجھے چھوڑ دو گی۔"

کس موقع پر کیسا مشکل سوال داغ دیا تھا اس نے' وہ کچھ پل خاموش رہی پھر بنا کوئی جواب دیے ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئی' مصحف کو لگا جیسے اس پل اس کے اندر دھواں ہی دھواں بھر گیا ہے۔ اس نے اپنے ابا کو پکارا تھا اور پھر روتے ہوئے ان کے سینے سے جا لگی تھی۔ وہ چپ چاپ دیکھتا رہا' اگلے پانچ منٹ کے بعد وہ اپنے ابا جی کے ساتھ واپس پلٹی تھی اور اس کی طرف کھڑکی پر جھکتے ہوئے بولی تھی۔

"مصحف --- کیا آپ میرے ساتھ بھائی کے گھر چلیں گے۔"

طنز و مزاح سے بھرپور کالم

باتیں اِنشاءؔ جی کی

ابنِ انشاء

قیمت: -/300 روپے
ڈاک خرچ: -/30 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

http://www.pakfunplace.com

اور جانے کیوں اس کا سر اثبات میں ہل گیا تھا۔
غلام محمد صاحب راستے میں صرف اجالا سے ہی زیادہ بات کرتے رہے تھے۔
مقررہ مکان کے آگے گاڑی رکنے کے بعد جب وہ گیٹ کھول کر آگے بڑھے تو اجالا نے چپکے سے مصحف کا ہاتھ تھام لیا۔ سعد اس وقت گھر پر ہی تھا' وہ ظہر کی نماز کے لیے ابھی نکلنے کا قصد ہی کر رہا تھا جب ابا جی کے ساتھ اجالا کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔
"اجالا۔" وہ صرف حیران تھا' غضب ناک نہیں ہوا تھا۔ غلام محمد صاحب نے سکون سے بیٹھ کر اسے ساری بات سنا دی جو اجالا راستے میں رو رو کر انہیں بتا چکی تھی۔ مصحف نے اس موقع پر خود کو غیر ضروری جانتے ہوئے شائستگی سے رخصت لے لی۔
سعد اب ساری بات سن کر رو رہا تھا۔
"اس نے غلط کیا نا اباجی۔ مجھ پر اعتبار نہیں کیا۔ غیروں پر کر لیا۔ کیا میں اتنا جاہل تھا کہ کچھ بھی سنے بغیر اسے قتل کر دیتا' یا ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال دیتا۔ سات سال بڑی ہے یہ مجھ سے کیا میں ایسا کر سکتا تھا۔"
"میں ڈر گئی تھی۔ پھر مجھے یہ بتایا گیا کہ تم یہ گھر چھوڑ کر کہیں جا چکے ہو۔"
"بکواس کی ہو گی کسی نے۔ میں نے تو سب کو یہی بتایا کہ تمہیں شہر سے باہر جاب مل گئی ہے اور تم وہاں شفٹ کر گئی ہو۔ تم نے ایک بار بھی نہیں سوچا اجالا کہ میرا کیا ہو گا۔؟ دوبار موت کے منہ سے بچ کر آیا ہوں میں۔" وہ اب بھی رو رہا تھا۔ اجالا نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔
"مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے سعد' یقیناً تمہاری جگہ کوئی اور بھائی ہوتا تو کبھی میرا یقین نہ کرتا' پلیز مجھے معاف کر دو۔ پلیز۔" وہ رو پڑی تھی۔ سعد بھی رو رہا تھا۔
"مجھے تم پر نہیں اپنے رب پر یقین تھا۔ انسان کا کردار بڑی اہمیت رکھتا ہے اس کی زندگی میں مجھے یقین تھا تم کسی بھی حادثے کا شکار ہو سکتی ہو مگر اپنے ایمان اور وقار کا سودا نہیں کر سکتیں۔" کیسا پختہ یقین اور ایمان تھا اس کا اپنے رب پر۔ اجالا غلام محمد کی گود میں سر چھپائے دیر تک روتی رہی۔ سعد کی بیوی میکے گئی تھی' لہٰذا وہ دونوں بہن بھائی' غلام محمد صاحب کے بستر میں ان سے جڑے بیٹھے رات عشاء کی نماز کے بعد بہت دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔
اجالا نے انہیں غلام عباس کی فیملی اور مصحف و نانو کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا' جواب میں سعد نے بتایا کہ بسمہ کی ڈیتھ ہو گئی تھی' اسے اس کے اوباش شوہر نے زہر کھلا کر مار دیا' جبکہ ندا نے ولید کے قتل کے بعد ایک ڈے کیئر سینٹر میں ملازمت کر لی تھی' وہ اتنی بدل گئی تھی۔ کہ سعد بھی اسے نہ پہچان سکا' عباد ایک دو روز میں پاکستان آنے والا تھا۔ سعد بتا رہا تھا کہ ابھی کچھ روز پہلے اس نے نایا کو دیکھا تھا' پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس' پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کا سودا کرنے والا وہ شخص۔ راستے میں بیٹھا اپنے سر میں خاک ڈال رہا تھا۔
اس رات اجالا نے تہجد کی نماز اپنے گھر میں اپنے باپ اور بھائی کے ساتھ ادا کی تھی' غلام محمد صاحب کا اب بھی وہی حال تھا' مصلے پر بیٹھے روتے رہے۔
اجالا کو بھول ہی گیا کہ وہ پیچھے کچھ چھوڑ کر آئی ہے۔
مصحف جب سے اسے چھوڑ کر گیا تھا' بے چین تھا' بار بار سیل اٹھا کر دیکھتا کہ کہیں اس کی کال تو نہیں آیا ہو' نانو کو تو اس نے مطمئن کر دیا تھا مگر خود کو نہ کر سکا' اندر جیسے عجیب سی اداسی در آئی تھی۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔
وہ فیکٹری بھی نہ جا سکا' شہریار اپنی بیوی کے ساتھ مصروف تھا' ... ملک سے باہر چلا گیا تھا اور شاہ میر اس کے ... ہم لمحہ تھا۔ اس کا دل چاہا وہ اپنے نظر انداز کیے جانے پر اسے کال کر کے خوب کھری کھری سنائے جو اسے اپنوں میں بھول بیٹھی تھی مگر وہ کچھ بھی نہ کر سکا۔
نہ نیٹ میں دل لگ رہا تھا نہ کسی لڑکی سے chat میں۔ جانے یہ سب کیا تھا؟
بہت دیر بستر پر کروٹیں بدلنے کے بعد' جب تکلیف بڑھتی گئی تو وہ اٹھا اور سیدھا واش روم میں گھس گیا۔ اجالا نے کہا تھا اللہ کی یاد میں سکون ہے' ٹھنڈک ہے' وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ بات کتنے فیصد صحیح ہے۔ صرف اپنے مفاد کے لیے اس روز' بارہ سال کے بعد وہ اپنے رب کے حضور پیش ہوا تھا' پہلے پہل بہت دماغ الجھا' ادائیگی بھی صحیح نہ ہوئی' وہ اللہ کا نام لیتا اور تصور میں اجالا کا چہرہ آ کر اسے بھٹکا رہا' تاہم ایک ... کے بعد اس کی کیفیت نارمل ہو گئی۔ اپنے خالق حقیقی کے ذکر میں وہ یوں کھویا کہ خود اپنے آپ کو بھی بھول گیا۔
زندگی میں پہلی بار ... وہ بہت رویا تھا' اپنی گمراہی پر' اپنی ... پر بار بار یہ خیال آتا کہ اگر اسی حال میں ... موت آ جاتی تو وہ اپنے رب کے پاس کیا لے کر جاتا؟
صبح فجر کی نماز کے بعد اسے لگا کہ پرانے مصحف علی میر کی موت ہو گئی ہو اور اس کے اندر ایک نئے مصحف علی میر نے جنم لیا ہو' وہ مصحف علی میر جس پر اس کے رب نے آگاہی کے در وا کر دیے ہوں جو اپنی حیثیت اپنی اوقات اور اپنے رب کا مقام جان گیا ہو۔
وہ رب کہ جس نے رات اس کے تڑپتے دل کو سکون بخشا تھا' صبح نماز کے بعد ابھی وہ بستر پر لیٹا تھا کہ اجالا کی کال آ گئی۔
"السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام کیسی ہو؟" اس کا لہجہ بھاری ہو رہا تھا۔ وہ چونک گئی۔
"بہت خوش۔ آپ کیسے ہیں۔ اور رات میرے بغیر نیند آئی کہ نہیں؟"
"نہیں۔" کتنی سادگی سے اعتراف کر لیا تھا اس نے۔ وہ ہنس پڑی۔
"پھر تو اب عادت ڈالنی پڑے گی' کیونکہ میرے ابا جی کو میرے لیے اپنے جیسا پرہیز گار لڑکا پسند ہے' اگر تم اب بھی نہیں سدھرو گے تو وہ مجھے تمہارے پاس نہیں بھیجیں گے۔"
"ٹھیک ہے۔ اپنے اباجی سے کہو مجھے کچھ دنوں کی مہلت دیں۔"
"کتنے دنوں کی؟" دوسری طرف وہ مذاق میں لے ...
"... کچھ دنوں کی۔ صبح میں شہر سے باہر جا رہا ہوں' ... اباجی کے ساتھ گھر واپس آ جانا۔ نانو اکیلی ہوں گی۔ میں کچھ روز میں واپس لوٹ آؤں گا۔"
کہنے کے ساتھ ہی اس نے سیل آف کر دیا تھا' اجالا الجھ کر رہ گئی۔ اگلے روز وہ اس کی گھر واپسی سے پہلے ہی نکل چکا تھا' نانو دیر تک غلام محمد اور سعد سے ماضی کی باتیں کرتی رہیں۔ ایک دن' دو دن' تین دن' وقت جیسے پر لگا کر اڑ رہا تھا اور ادھر اجالا کی جان پر بنی تھی۔
اس روز اس کی طبیعت بہت خراب تھی۔ بڑی مشکل سے نانو کے ساتھ ہسپتال گئی تو وہاں ملنے والی خوشخبری نے اسے رلا دیا۔ وہ امید سے تھی اور اس کے محبوب کا کوئی اتا پتا نہیں تھا' اب تو نانو بھی بہت متفکر رہنے لگی تھیں۔
اجالا کو لگا جیسے اس کا ضبط ٹوٹنے لگا ہو' مصحف کے

خواتین کے لیے خوبصورت تحفہ
750/-
کھانا خزانہ
250/-
800/-
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32216361

صبیحہ اقبال

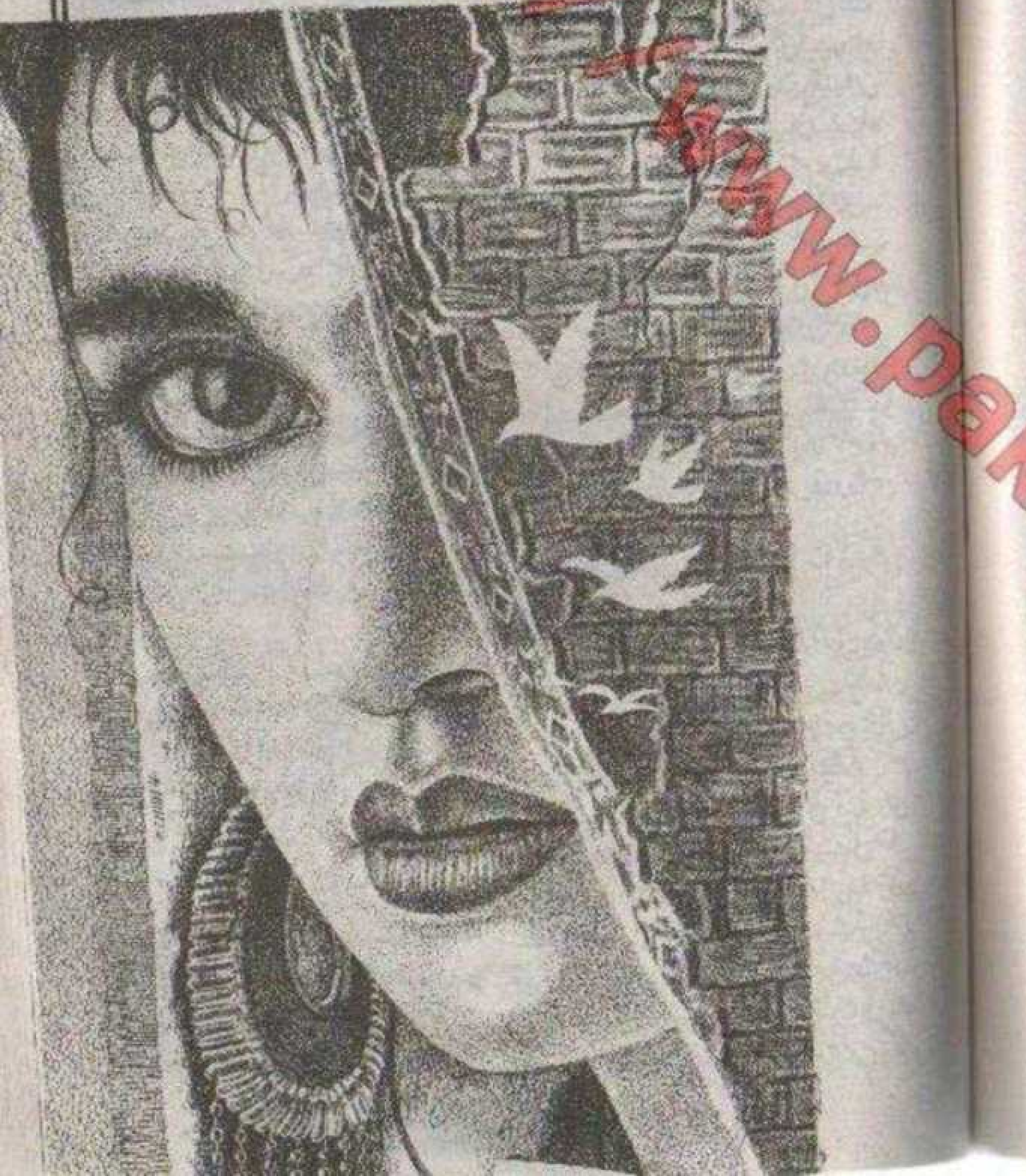

بغیر اتنے دن وہ جس عذاب میں کاٹ رہی تھی یہ محض اس کو پتا تھا یا اس کے پاک رب کو۔۔۔ نماز میں بھی اب اس کا دل پہلے کی طرح نہیں لگ رہا تھا۔ اس روز تھک ہار کر وہ نماز میں رو پڑی تھی، ہر دعا صرف مصحف کے لیے مانگتے ہوئے، وہ پھر سے اپنے رب کے سامنے جیسے ضدی بچی بن گئی تھی۔

"اے اللہ! تو جانتا ہے میں بہت گناہ گار ہوں، میرا ایمان اتنا مضبوط نہیں کہ تیرے ذکر کی پناہ کے بعد میں ہر چیز سے غافل ہو جاؤں۔ تیرا کرم ہے مجھ پر۔ تیرا رحم ہے۔ مجھ گناہ گار کو اور مت آزما۔ اے اللہ! ہم لڑکیاں بہت کمزور ایمان بہت کمزور نفس کی مالک ہیں، ہماری زندگی میں جب تک کسی ایک سچے مخلص ساتھی کا سہارا میسر نہیں آتا تو بھٹکتی رہتی ہیں، سکون نہیں ملتا، تو نے اپنے کرم سے مجھے ہر عذاب اور مصیبت سے محفوظ رکھا ہے، اب بھی میرے ایمان کا بھرم رکھ لے میرے مولا۔ میرے سچے مخلص ساتھی کو واپس بھیج دے۔"

صبح فجر کی نماز میں اس نے دعا مانگی اور شام میں وہ لوٹ آیا، بڑھی ہوئی داڑھی، سر پر ٹوپی، نور سے دمکتا چہرہ، اور سادہ لباس، وہ جو نانو کے لیے پرہیزی کھانا بنا رہی تھی۔ اسے اس حال میں دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"کیسی ہو نرس؟" وہ مسکراتے ہوئے قریب آیا تھا۔ اجالا کی آنکھیں بھر آئیں۔ نانو البتہ اس کے لتے لینے لگی تھیں۔ جواب میں وہ انہیں گلے لگا کر اپنی جماعت کا احوال سنانے لگا۔ اجالا کو لگا جیسے اس کا دل رک جائے گا۔ کیا تھا اس شخص میں کہ وہ زندگی بن گیا تھا۔ آنسو تھے کہ اسے اتنے دنوں کے بعد مقابل دیکھ کر رو کے نہ رک رہے تھے۔

وہ نانو کو مطمئن کرنے کے بعد اس کے بازو پکڑ کر اسے کمرے میں لایا تھا۔

"میرا خیال تھا اتنے دنوں کے بعد تم مجھے سامنے دیکھ کر خوش ہو جاؤ گی۔ مگر یہاں تو آنسو ہی نہیں رک رہے۔ کیا مجھے نہیں آنا چاہیے تھا؟"

"ہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ کیونکہ تم بہت برے ہو۔" وہ روتے ہوئے دھاڑی تھی جواباً وہ مسکرا دیا۔

"یا اللہ۔۔۔ جب برا تھا تب خوش تھیں اب ہدایت کا راستہ پا لیا ہے تو رو رہی ہو۔"

"بھاڑ میں جائیں میری طرف سے۔ میرا کوئی واسطہ نہیں آپ سے۔"

"کبھی تم کبھی آپ۔۔۔ لگتا ہے لڑکی تمہارا دماغ چل گیا ہے میری جدائی میں اور توبہ۔ استغفار کچھ تو سوچو، کہاں بھیج رہی ہو مجھے۔"

اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے محبت سے اسے ساتھ لگایا تھا۔ جواباً وہ خاموشی سے روتی رہی۔

"خود ہی تو کہا تھا یار کہ اباجی کو پرہیزگار لڑکا پسند ہے، مجھ سے پوچھو پرہیزگار بننے کے لیے یہ تین ماہ کیسے گزارے ہیں بہت مشکل ہے اجالا۔ برائی سے دامن چھڑا کر کامیابی کے راستے پر چلنا اور پھر اس پر ڈٹے رہنا بہت مشکل ہے، قدم قدم پر شیطان پاؤں تلے سے زمین کھینچنے آتا ہے۔ اور قدم قدم پر ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اب تم جیسی اچھی لڑکی کے قابل بننے کے لیے یہ جنگ تو ضروری تھی نا۔ نفس کے خلاف جنگ۔۔۔ اب تو تمہارے اباجی مجھے ریجیکٹ نہیں کریں گے نا۔"

وہ اسے بہلا رہا تھا۔ اجالا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میرا اک اللہ۔ چلو اب جلدی چپ ہو جاؤ نا۔ وہ نانو کسی خوشخبری کا ذکر کر رہی تھیں۔ ذرا بتانا مجھے کیا خوشخبری ہے۔"

"تمہارا [illegible]" [illegible] کر خفگی سے کہتی وہ اس کے حصار سے نکل گئی تھی، جبکہ مصحف کھل کر ہنستا اس کے پیچھے لپکا تھا اسے امید ہی نہیں یقین بھی تھا کہ وہ اپنی محبت سے اسے منا لے گا۔ اس لڑکی کو کہ جو واقعی اجالا بن کر اس کی بے مقصد اور تاریک زندگی کو منور کر گئی تھی۔

☆ ☆

http://www.pakurduplace.com